انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ

جریدہ حیاتِ نو

مدیر مسئول: سید راشد حامدی —— مدیر: ابوالاعلی سید سبحانی

جلد:۱، شمارہ:۱۲، اپریل ۲۰۱۷ء/ رجب المرجب۔شعبان المعظم ۱۴۳۸ھ

مجلس ادارت

محمد اسماعیل فلاحی .... نئی دہلی

زبیر ملک فلاحی .... لکھنؤ

انیس احمد فلاحی .... جامعۃ الفلاح

فی شمارہ:	اندرون ملک	۳۰/روپے
	بیرون ملک	۵/امریکی ڈالر
سالانہ زرتعاون:	اندرون ملک	۳۰۰/روپے
	بیرون ملک	۲۰/امریکی ڈالر
لائف ممبرشپ:	اندرون ملک	۵۰۰۰/روپے
	بیرون ملک	۳۰۰/امریکی ڈالر

❁ رجسٹرڈ ڈاک سے رسالہ منگانے کی صورت میں رجسٹری خرچ بذمہ خریدار ہوگا۔
❁ مقالہ نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

Printed, Published & Owned by Sayyed Rashid Ali,F-9, Zeeshan Apartment, 1st Floor, Near Masjid Al-Habeeb, 40 FT Road, Shaheen Bagh, Jamia Nagar, Okhla, New Delhi-110025. **Printed at**: Ala Printing Press, 3636, Katra Dina Baig, Lal Kuan, Delhi-110006. **Published at**:F-9, Zeeshan Apartment, 1st Floor, Near Masjid Al-Habeeb, 40 FT Road, Shaheen Bagh, Jamia Nagar, Okhla, New Delhi-110025. **Editor: Abul Aala Sayyed**

نقوشِ حیات

اداریہ	ابوالاعلی سید سبحانی	۳
صدر انجمن کا پیغام بنام جملہ فارغین جامعہ	ادارہ	۵
امت کے داعیانہ کردار کی بازیافت۔۔۔	مولانا محمد اسماعیل فلاحی	۶
مردِ حق آگاہ کا پیغام، علماء ہند کے نام	ڈاکٹر صلاح سلطان	۲۴
ترانۂ فلاح: تلاش و تعبیر (۳)	ڈاکٹر امتیاز وحید	۳۵
جہاد اور تفقہ فی الدین	محمد اکمل فلاحی	۴۱
اردو تراجم قرآن پر ایک نظر (۲۱)	ڈاکٹر محی الدین غازی	۵۹
علی عزت بیگوچ کے تہذیبی افکار	ضمیر الحسن خاں فلاحی	۶۹
نایاب خطوط	ادارہ	۷۴
شعر و نغمہ	شاکر الاکرم شاکر، حافظ احسان الحق عارف آئمی، عزیز نبیل، خان رضوان	۷۷
تعارف و تبصرہ	سعید اختر اعظمی، محمد صادق ظلی	۸۲
آپ کے خطوط	قارئین	۸۵
جامعہ کے لیل و نہار	مصباح الباری فلاحی	۸۶
اخبار انجمن	ادارہ	۹۲
معلوماتی فارم	ادارہ	۹۵

خط و کتابت و ارسال زر کا پتہ

Zeeshan Apartment, F-9, 1st Floor, Near Masjid Al-Habeeb, 40 FT Road, Shaheen Bagh, Jamia Nagar, Okhla, New Delhi-110025

Email: jareedahayatenau@gmail.com

موبائل نمبر (مدیر مسئول): +91-9811126467

موبائل نمبر (مدیر): +91-9891051676

اداریہ

اپنی بات

اتحادِ امت مسلمہ کی شناخت بھی ہے، اس کی ایک سماجی اور مادّی ضرورت بھی ہے، اور اس پر عائد ایک دینی فریضہ بھی ہے۔

ملت اسلامیہ ہند کے درمیان بلکہ عالمی سطح پر امت اسلامیہ کے درمیان عمومی سطح پر یہ خواہش پائی جاتی ہے کہ ان کے درمیان اتحاد قائم ہو، یقیناً یہ ایک بالکل ہی فطری خواہش ہے۔ اس خواہش کا اظہار ان کی تحریروں سے بھی ہوتا ہے، اور ان کی تقریروں اور ان کے درمیان ہونے والے مختلف بحث ومباحثوں سے بھی ہوتا ہے۔

اتحاد امت کی اس خواہش کے پیچھے عموماً تین قسم کے عوامل کارفرما ہوتے ہیں۔

...... قرآن وسنت میں موجود اتحاد واتفاق کی پرزور تاکید۔

...... مختلف مذاہب اور اقوام کے یہاں کسی حد تک پائے جانے والے اتحاد واتفاق (گرچہ ظاہری نوعیت ہی کا کیوں نہ ہو) کے حوالے سے ذہنوں میں پیدا ہونے والا ردّ عمل۔

...... مختلف قسم کے اندیشوں، حادثوں اور مصیبتوں کے تحت دفاعی اقدام۔

قرآن وسنت میں چونکہ امت مسلمہ کو بار بار اتحاد واتفاق کی جانب ابھارا گیا ہے، اور افتراق وانتشار سے خبردار کیا گیا ہے، چنانچہ جب بھی قرآن وسنت کی یہ تعلیمات افرادِ امت کے کانوں سے ٹکراتی ہیں، ان کے اندر فطری طور پر یہ خواہش بیدار ہوتی ہے کہ باہم انتشار اور افتراق کی شکار اس امت کے درمیان اتحاد قائم کیا جائے۔ بجا طور پر یہ امید کی جانی چاہیے کہ امت کے درمیان اتحاد واتفاق کے لیے اُٹھنے والی ان خواہشوں کے پیچھے خلوص اور سچائی کے جذبات کارفرما ہوتے ہیں۔ تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ عموماً ان جذبات کی پشت پر قرآن وسنت سے ماخوذ کوئی عملی طریقہ کار یا موجودہ زمینی حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے کچھ واضح خطوطِ کار موجود نہیں ہوتے۔ قرآن وسنت میں یقیناً اتحاد واتفاق کی غیر معمولی طور پر تاکید کی گئی ہے، تاہم اس کو ایک مصنوعی یا اضافی سرگرمی کے طور پر نہیں پیش کیا گیا ہے، بلکہ اس کو امت کے اجتماعی ایمانی شعور کے نتیجے میں اللہ رب العزت کے انعام کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ یہاں عموماً غلطی یہ ہوتی ہے کہ اتحاد امت کو اپنے آپ میں ایک مستقل سرگرمی کے طور پر دیکھا جاتا ہے اور اس کے لیے طرح طرح کی کوششیں کی جاتی ہیں۔ بسا اوقات ان کوششوں کے کچھ نتائج بھی سامنے آجاتے ہیں، لیکن یہ نتائج وقتی اور محدود ہوتے ہیں۔

اتحادِ امت کی خواہش کے پیچھے یہ سوچ بھی نظر آتی ہے کہ جب دنیا کی فلاں فلاں اقوام اور مذاہب کے یہاں داخلی سطح پر شدید قسم کے تاریخی اختلافات کے باوجود اتحاد و اتفاق قائم ہوسکتا ہے، گرچہ وہ ظاہری اور وقتی ہی کیوں نہ ہو، تو کیوں نہ افرادِ امت کے درمیان بھی اتحاد و اتفاق کے قیام کے لیے کوشش کی جائے۔ یہ خواہش ایک قسم کے ردّعمل کا نتیجہ ہوتی ہے، اس کے پیچھے کوئی ٹھوس بنیاد نہیں ہوتی۔ ردّعمل چونکہ ایک وقتی کیفیت ہوتی ہے چنانچہ اس کیفیت میں جوں جوں فرق آتا جاتا ہے یہ خواہش بھی کمزور پڑتی چلی جاتی ہے، البتہ ردّعمل پر مبنی اس طرح کی کوششوں میں منفی نتائج کا تناسب زیادہ ہونے کا امکان ہوتا ہے۔ ملکی سطح پر دیکھا جائے تو اس بنیاد پر اتحاد کے لیے اٹھنے والی آوازیں ملت اسلامیہ ہند کے حق میں فائدہ مند ہونے کے بجائے یک گونہ نقصاندہ ثابت ہوئی ہیں۔ بالخصوص گزشتہ دو تین سالوں کے درمیان مختلف سیاسی انتخابات کے موقع پر اس طرح کی کوششوں سے اتحادِ امت کا فائدہ تو حاصل نہیں کیا جاسکا، البتہ فسطائی عناصر نے اس کا منفی پروپیگنڈہ کرتے ہوئے ملک کی بڑی آبادی کو اپنے فسطائی مقاصد کے حصول کے لیے متحد کرنے میں ضرور کامیابی حاصل کرلی۔

ان تمام ممالک میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں، بالخصوص ملکی تناظر میں، اتحادِ امت کی کوششوں کے پیچھے ایک قسم کی دفاعی اور اندیشوں پر مبنی ذہنیت بھی دیکھی جاتی ہے۔ مختلف قسم کے اندیشوں کے پیش نظر یا مختلف نوعیت کے حادثات اور مصائب کے بالمقابل تحفظ اور دفاع کے حوالے سے اتحادِ امت کا نعرہ بلند کیا جاتا ہے، بابری مسجد کی شہادت اور گجرات کے مسلم کش فسادات کے بعد بڑے پیمانے پر اتحادِ امت کا نعرہ لگایا گیا، اور وقتی طور پر اس کے نتائج بھی سامنے آئے، لیکن چونکہ یہ وقتی اور جذباتی بنیادوں پر قائم کیا گیا اتحاد تھا، اس کے پیچھے ڈر اور خوف کی ایک کیفیت تھی، چنانچہ جیسے جیسے ڈر اور خوف کی یہ کیفیت زائل ہوتی چلی گئی، یہ اتحاد بھی بے اثر اور بے کار ہوکر رہ گیا۔

تجربات بتاتے ہیں کہ وقتی، جذباتی اور کمزور بنیادوں پر اول تو اتحادِ امت ہو ہی نہیں سکتا، اور اگر ہوتا ہے تو وہ بہت ہی وقتی، کمزور اور منفی قسم کا اتحاد ہوتا ہے جو اپنے ساتھ نتائج بھی منفی ہی لاتا ہے۔ اس کے برعکس اسلام اتحادِ امت کے لیے مضبوط، پائیدار اور ٹھوس بنیادیں فراہم کرتا ہے، وہ اجتماعی ایمانی شعور کی بیداری کی جانب متوجہ کرتا ہے، اس کے لیے قرآن و سنت سے گہرا رشتہ قائم کرنے پر اُبھارتا ہے، اور پھر اس حقیقت کا اعلان کرتا ہے کہ ''اگر تم دنیا بھر کی دولت خرچ کرتے تب بھی ان کی دلوں میں الفت پیدا نہ کرسکتے مگر اللہ ہی نے ان میں الفت ڈال دی''۔

ابوالاعلی سید سبحانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صدر انجمن کا پیغام بنام جملہ فارغین جامعہ

برادران محترم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

انجمن کی نشأۃ ثانیہ کے بعد سے ہی ہماری خواہش رہی ہے کہ تمام فلاحی برادران اس کا حصہ بنیں اور ہم سب مل کر جامعۃ الفلاح کی جو بھی خدمت ممکن ہو، کرسکیں۔

اللہ کا شکر ہے کہ ۱۹/ مارچ ۲۰۱۷ء کی شوریٰ نے اس کی منظوری دے دی کہ جتنے فلاحی پہلے انجمن اور اتحاد کے لیے فارم پُر کر چکے ہیں انہیں دوبارہ فارم پُر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس طرح اب وہ سارے افراد ممبر ہیں، البتہ ان کے پتے اور فون نمبر وغیرہ حاصل کر کے فہرست مرتب کرنا باقی ہے۔

میری تمام فلاحیوں سے گزارش ہے کہ اس کام میں ہمارا تعاون فرمائیں۔ ہر بڑے شہر میں جتنے فلاحی رہتے ہیں ان کی فہرست مقامی ذمہ داران تیار کرلیں اس طرح مکمل لسٹ تیار ہو جائے گی۔

والسلام

مشرف حسین صدیقی

صدر انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح

۲۳/۳/۲۰۱۷ء

امت کے داعیانہ کردار کی بازیافت

کیوں اور کیسے؟

مولانا محمد اسماعیل فلاحی، انڈین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز، نئی دہلی
موبائیل نمبر: 07827332996

آج پوری دنیا بارود کے ڈھیر پر کھڑی ہے۔ نہیں معلوم کب کون سا شعلہ اس دنیا کو خاکستر کردے۔ امن وامان اور سکون واطمینان جسے کہتے ہیں آج وہ پورے طور سے عنقا ہے۔ مظلوم تو خیر مظلوم ہیں، ظالم کو بھی سکون میسر نہیں۔ غریب لوگ زندگی کی بقا کے لیے سنگین مسائل سے نبرد آزما ہیں ہی، امیر ترین لوگوں کے لیے بھی زندگی اور اس کا سکون ایک بے معنی لفظ ہے۔ ہر بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو نگل لینے کے درپے ہے لیکن چھوٹی مچھلیاں بھی گلے کا کانٹا بن گئی ہیں جن کو نہ نگلنا ممکن ہے اور نہ اگلنا آسان۔ دنیا کے طاقتور ترین ممالک اور ان کے غیر معمولی طاقت رکھنے والے حکمراں اور قومیں مسلسل خوف و دہشت میں بری طرح مبتلا ہیں۔ حق وانصاف اور عدل وقسط اپنے معنیٰ کھو چکے ہیں۔ انسان بالکل درندہ بن گیا ہے اور انسان کے ہاتھوں انسانیت کا خون بے دریغ بہہ رہا ہے۔

اقوام وملل کے درمیان امت مسلمہ کا حال دوسروں سے مختلف نہیں بلکہ کچھ اور زیادہ کربناک اور دردناک ہے۔ وہ خود اپنے گھر کے اندر بڑی بھٹی میں بڑے بے رحمانہ طریقہ سے تپائی جارہی ہے اور آہ کرنے کی بھی اجازت نہیں۔

سوال یہ ہے کہ اس پوری صورتحال کا ذمہ دار کون ہے؟ مجھے کہنے کی اجازت دیجئے کہ ہم فرزندانِ ملتِ توحید ہی اس کے ذمہ دار ہیں۔ امت مسلمہ کسی خاص جغرافیائی، نسلی، لسانی، سیاہ فام اور سفید فام کسی گروہ کا نام نہیں بلکہ خدا کی معرفت رکھنے والے اور اپنے وجود کو مکمل طور سے خدا کے آگے سرینڈر کردینے

والے ایک خاص نظریاتی گروہ کا نام ہے، اس کے کچھ خاص اصول ونظریات ہیں جن پر عمل کرنا اور جن کی طرف دنیا کو بلانا اس کی ذمہ داری ہے۔ امت مسلمہ کو اس بات کا یقین ہے کہ اس کے پاس بے آمیز خدائی ہدایت نامہ اور اس کے آخری رسول کی سنت اور تابناک سیرت موجود ہے جس کے مطابق زندگیاں بنانے میں دنیا کے سارے انسانوں کے سارے مسائل کے حل اور ساری بیماریوں کے علاج کے ساتھ آخرت کی نجات وفلاح بھی موقوف ہے۔ اس امت کی ذمہ داری ہے کہ اس کے مطابق اپنی زندگیوں کا سانچہ بناتی اور دوسرے سارے انسانوں کو ان کی دنیوی کامرانی اور اخروی نجات کا راستہ دکھاتی، لیکن افسوس صد افسوس! یہ اپنا فرضِ منصبی بھول کر دوسری قوموں کی سطح پر آ گئی، اور آج صورتحال یہ ہے کہ اس میں اور دوسری قوموں میں بالعموم کوئی فرق باقی نہیں رہا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا اور یہی نکلنا چاہیے کہ ہم خود ذلیل وخوار ہوئے، پیروں سے روندے گئے اور آج پورا جسم لہولہان اور زخموں سے چور چور ہے، زمین اپنی وسعتوں کے باوجود ہم پر تنگ ہوگئی ہے۔ آج ہمیں جگہ دینے کے لیے نہ صحراء کی وسعتیں تیار ہیں، نہ سمندروں کا سینہ ہمارا بوجھ اٹھانے کے لئے آمادہ، نہ فضاؤں میں اڑ کر ہم کہیں جا سکتے ہیں اور نہ ہمالہ جیسے پہاڑوں کے کوہ ودمن اور لمبے لمبے غار ہماری حفاظت کر سکتے اور نہ افریقہ کے جیسے جنگلات ہمیں سر چھپانے کی جگہ دے سکتے۔ ع

ادا کیوں کر کریں گے چند آنسو دل کا افسانہ
بہت دشوار ہے جتنا سمجھنا اتنا سمجھانا

ہم نے اوپر جو یہ دعویٰ کیا کہ دنیا کی اور اپنی موجودہ صورتحال کے ذمہ دار ہم خود ہیں۔ اس کے چند وجوہ ہیں:

(۱) دنیا کے سارے انسانوں کی طرح ہم بھی انسان اور آدم وحوا کی اولاد اور بھائی بھائی ہیں۔ انسانوں کے لیے کون سا راستہ دنیا اور آخرت دونوں کے لحاظ سے صحیح، فائدہ مند اور امن وسکون والا اور کون سا غلط، نقصان دہ اور امن وسکون کو غارت کرنے والا ہے، اس کا یقینی علم ہمارے پاس کتاب وسنت کی صورت میں موجود ہے۔ ہم نے اسے چھپا رکھا اور زندگی کا جہاز غلط رخ مڑا تو ہم گہری نیند میں تھے اور اب یہ جہاز سمندر کی طغیانی اور موجوں کے تھپیڑوں کی زد میں ہے اور کسی کے پاس اسے اس بھنور سے نکالنے کی صلاحیت نہیں، سب اپنی صلاحیت آزما کر تھک چکے ہیں، اب یہ ڈوبا چاہتا ہے اور ہم ہیں کہ ہمیں کوئی فکر نہیں جبکہ ہمارے پاس وہ خدائی علم موجود ہے جس سے یہ بھنور سے نکل سکتا ہے۔ کیا ہماری ذمہ داری نہیں ہے کہ ہم اسے بھنور سے نکالنے کی کوشش کریں اور اگر ہم ایسا نہیں کر رہے ہیں تو کیا صرف

علم رکھنے سے ہم خود ڈوبنے سے بچ رہ سکتے ہیں۔ کبھی نہیں، ہم بھی جہاز کے ساتھ ڈوبیں گے اور ڈوب رہے ہیں۔ ہمارا موجودہ طرزِ عمل انسانیت کے خلاف ایک سنگین جرم ہے جس کی سزا ہمارے ساتھ ساتھ سارا عالم بھگت رہا ہے۔

(۲) حضرت محمدؐ قیامت تک آنے والے سارے انسانوں کی طرف رسول ہو کر آئے ہیں۔ اس پہلو سے آپؐ کی بعثت کے دو پہلو ہیں۔ ایک بعثتِ خاص اور دوسرا بعثت عام۔ آپؐ نے بعثت خاص کی ذمہ داریاں عربوں میں بنفسِ نفیس خود ادا کیں اور پورے عرب نے خدا کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ بعثتِ عام کی ذمہ داریاں اس امت کے سپرد کی گئی ہیں۔ حق کی شہادت دنیا کے سامنے دینا اب اس امت کا کام ہے۔ یہ امت گویا شریک فریضہ رسالت ہے۔ اس پہلو کا بھی تقاضا ہے کہ دنیا کے سامنے یہ حق کی گواہی دیتی۔ ایک صحابی رسول نے ایک سوال کے جواب میں یہی فرمایا کہ اللہ نے ہمیں مبعوث فرمایا ہے۔ ان کے الفاظ ہیں: اللّٰه ابتعثنا لنخرج العباد من عبادة العباد الى عبادة الله و من جور الأديان الى عدل الاسلام ومن ضيق الدنيا الى سعة الآخرة۔ اللہ نے ہمیں مبعوث فرمایا تا کہ ہم بندروں کو بندوں کی غلامی سے چھٹکارا دلا کر اللہ کی غلامی میں اور ادیان کے ظلم وجور سے نجات دلا کر اسلام کے سایہ عدل میں اور دنیا کی تنگنائیوں سے نکال کر آخرت کی وسعتوں میں لے آئیں۔

اس امت کے بارے میں فرمایا گیا ہے:

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطاً لِّتَكُونُواْ شُهَدَاء عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيداً۔ (سورہ البقرہ:۱۴۳)

(اس طرح ہم نے تمہیں معتدل امت بنایا تا کہ تم لوگوں پر گواہی دینے والے بنو اور رسول تم پر گواہی دینے والا بنے۔)

کسی گواہی کو چھپانا کتنا بڑا جرم ہے اس کا اندازہ اس آیت سے لگائیے:

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن كَتَمَ شَهَادَةً عِندَهُ مِنَ اللّهِ۔ (سورہ البقرہ ۱۴۰)

(اس شخص سے بڑا ظالم کون ہوسکتا ہے جو اللہ کے پاس سے آئی ہوئی گواہی اپنے پاس رکھتا ہو اور اسے چھپائے۔)

قرآن نے کہا ایک گروہ تو لازماً ہونا چاہیے جو دعوت کی یہ ذمہ داری ادا کرے اور اس کے لئے وقف ہو جائے بقیہ امت کے اجتماعی نظم کا فرض ہے کہ اس گروہ کی مکمل کفالت کرے:

وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ۔

(سورہ آل عمران:۱۰۴)

(اور چاہئے کہ تم میں ایک جماعت ایسی رہے جو نیک کام کی طرف بلاتی رہے اور معروف کا حکم دیتی اور منکر سے روکتی رہے۔)

اس کے بعد فرمایا ہے:

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّهِ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْراً لَّهُم۔(سورہ آل عمران:۱۱۰)

(تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کے لئے برپا کیا گیا ہے۔تم معروف کا حکم دیتے، منکر سے روکتے اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔اگر اہل کتاب ایمان لاتے تو یہ ان کے حق میں بہتر ہوتا۔)

''تم'' سے دعوت الی الخیر کا فریضہ ادا کرنے والا مخصوص گروہ اور اس کی کفالت کرنے والے اور اپنی اپنی جگہ اپنے علم اور اپنی بساط کے مطابق اپنے گفتار و کردار سے اس کام کو کرنے والے بقیہ افراد امت مراد ہیں۔اس کے بعد فرمایا ہے کہ ''اہل کتاب ایمان لاتے تو یہ ان کے حق میں بہتر ہوتا''۔اس سیاق میں ایمان لانے کا مطلب خدا سے کئے ہوئے میثاق کو پورا کرنا، اور دعوت الی الخیر اور اَمر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینا ہے۔اہل کتاب کے بارے میں آگے بتایا کہ میثاقِ الٰہی توڑ دینے اور اس فریضہ کو انجام نہ دینے کا نتیجہ آہستہ آہستہ ان کے سامنے یہ آیا کہ

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُواْ إِلاَّ بِحَبْلٍ مِّنْ اللّهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآؤُوا بِغَضَبٍ مِّنَ اللّهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ۔(سورہ آل عمران:۱۱۲)

(وہ جہاں کہیں بھی ہیں ان پر ذلت تھوپ دی گئی ہے، ہاں اللہ یعنی لوگوں (یعنی مومنوں) کے ذریعہ پناہ مل گئی تو اور بات ہے وہ خدا کا غضب لے کر پلٹے۔اور پست ہمتی ان پر مسلط کر دی گئی۔)

ایک دوسری جگہ اس امت کے علماء کی منصبی ذمہ داری فریضۂ ''انذار'' بتایا گیا ہے:

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُواْ كَآفَّةً فَلَوْلاَ نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُواْ فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُواْ قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُواْ إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ۔(سورہ توبہ:۱۲۲)

(ایسا تو ممکن نہیں تھا کہ سارے مومنین نکل پڑتے لیکن ایسا کیوں نہیں ہوا کہ ہر طبقہ میں سے کچھ لوگ نکلتے جو دین میں گہری بصیرت حاصل کرنے کے بعد واپس آکر انذار کا

فریضہ انجام دیتے تا کہ قوم کے افراد بری روش سے بچتے۔)

خدائی امانت کے امین ہونے اور کارِ رسالت میں شریک ہونے کا تقاضا کیا یہ نہیں ہے کہ ہم دنیا کی رہنمائی کرتے، اسے اس کا بھولا ہوا سبق یاد دلاتے، اس کی فطرت کے مضمرات اس کے سامنے کھولتے، اس کے رب، اس کے رسول اور اس کی کتاب سے اس کا تعارف کراتے اور مرنے کے بعد کی زندگی کی حقیقت اس کے سامنے واضح کرتے؟ کیا ہم نے ایسا کیا؟ اثبات میں جواب دینا بہت مشکل ہے۔ لوگ خدا کی عدالت میں جب ہمارے خلاف شکایت کریں گے کہ مسلمانوں نے امانت میں خیانت کی، تیرے پیغام کو ہم سے چھپایا تو کیا ہم نے کبھی سوچا کہ ہمیں خدا کے عذاب سے کیا چیز بچا سکے گی؟

(۳) فرض کیجئے کہ سیلاب کی طغیانی ہے۔ بہت بڑے بند (ڈیم) میں شگاف پڑ چکا ہے، آن کی آن میں شہر تنکوں کی طرح بہہ جانے والا ہے اور آپ کو قابل وثوق ذریعہ سے اس کا علم ہو گیا ہے۔ اس صورت میں آپ کی کیا ذمہ داریاں بنتی ہیں؟ کیا ایسی صورت میں آپ کا فرض نہیں بنتا کہ پہلی فرصت میں شہر کے لوگوں کو آگاہ کریں اور ان کے ساتھ خود بھی بند کے دوسرے محفوظ حصے پر چڑھ جائیں؟

(۴) تصور کیجئے آپ کے شہر میں آگ لگ چکی ہے۔ پورا شہر آگ کی لپیٹ میں ہے۔ آپ فائر بریگیڈ رکھتے ہیں۔ آپ کے پاس آگ بجھانے والے سلینڈر ہیں، آپ ایسی تکنیک رکھتے ہیں کہ آگ پر قابو پا سکیں اور آپ اپنی جگہ بیٹھے ہیں، ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ ایسی صورت میں کیا آپ خود جلنے سے محفوظ رہیں گے یا آپ کا گھر جلنے سے محفوظ رہے گا؟ اور کیا آپ سنگین جرم کے مرتکب اور اس کی سخت ترین سزا کے مستحق نہیں ہوں گے؟

۵) ذرا سوچئے آپ کے علاقہ میں خطرناک وبا پھیل چکی ہے۔ لاشوں پر لاشیں گر رہی ہیں۔ قبرستان بھر چکے ہیں۔ شمشان گھاٹ میں جگہ نہیں رہی اور ایک طبیب ایسا ہے جس کے پاس ایسا تریاق موجود ہے کہ دم توڑتے لوگ زندگی کی طرف واپس آ سکتے ہیں۔ لیکن وہ اسے چھپائے ہوئے ہے۔ ان تڑپتے، مرتے انسانوں پر اس کا دل نہیں پسیجتا۔ ایسے شخص کے بارے میں ہم کیا حکم لگائیں گے؟ وہی حکم اپنے اوپر کیوں نہیں لگاتے؟ آج دنیا بڑی تیزی سے تیسری عالمی جنگ کی طرف بڑھ رہی ہے۔ کچھ خطرناک اژدہے ہیں جو انسانوں کو نگل جانا چاہتے ہیں۔ اور ہم ہیں کہ ''ابابیلوں'' کے انتظار میں، اللہ پر ''توکل'' کر کے، ماضی میں مست، حال سے بے فکر اور مستقبل سے لاپروا، اور ''دروازے کا پردہ سبز ہو یا نیلا'' اس پر باہم دست بگریباں ہیں۔ اگر یہی حالت رہی تو اژدہے جب سانس لیں گے تو ہمیں مکھیوں اور مچھروں کی طرح کون سی چیز ان اژدہوں کا لقمہ بننے سے بچا سکے گی؟

اس موقع پر ہمیں وہ واقعہ بھی نگاہوں کے سامنے رکھنا چاہیے جس کا تذکرہ سورہ الاعراف آیات ۱۶۳تا۱۶۵میں ہوا ہے:

وَاسْأَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ إِذْ يَعْدُونَ فِي السَّبْتِ إِذْ تَأْتِيهِمْ حِيتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعاً وَيَوْمَ لاَ يَسْبِتُونَ لاَ تَأْتِيهِمْ كَذَلِكَ نَبْلُوهُم بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ o وَإِذَ قَالَتْ أُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُونَ قَوْماً اللّهُ مُهْلِكُهُمْ أَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَاباً شَدِيداً قَالُواْ مَعْذِرَةً إِلَى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ o فَلَمَّا نَسُواْ مَا ذُكِّرُواْ بِهِ أَنجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوءِ وَأَخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُواْ بِعَذَابٍ بَئِيسٍ بِمَا كَانُواْ يَفْسُقُونo

(ان سے اس بستی والوں کا حال پوچھئے جو دریا کے کنارے تھے۔جس کی ضروری تفصیل یہ ہے کہ سبت (ہفتہ کی اجتماعی عبادت جس کے لیے جمعہ کے دن مقرر تھا) کے معاملہ میں حدود الٰہی سے تجاوز کرنے لگے، جبکہ سبت کے دن ان کی مچھلیاں منہ اٹھائے ہوئے ان کے سامنے ہوتیں اور دوسرے دنوں میں وہ ظاہر نہ ہوتیں۔اس طرح ہم انہیں ان کے فسق کی پاداش میں آزماتے تھے اور جبکہ ان کے ایک گروہ نے کہا تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو جنھیں اللہ ہلاک کرنے والا یا سخت عذاب دینے والا ہے۔انھوں نے جواب دیا تاکہ خدا کے حضور معذرت کرسکیں اور اس بات کی بھی امید ہے کہ خدا کے غضب سے یہ لوگ بچیں لیکن جب وہ اُن تنبیہات کو نظر انداز کیے ہی رہے جن کے ذریعہ انھیں آگاہ کیا جارہا تھا تو ہم نے ان لوگوں کو بچالیا جو برائی سے روکتے تھے اور ظلم پر اصرار کرنے والوں کو ان کے فسق کے نتیجہ میں ہم نے سخت عذاب میں پکڑلیا۔)

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کارِ دعوت کیسے انجام دیا جائے۔اس سلسلے میں سب سے پہلی چیز اپنے فریضہ کا سچا احساس،فریضہ کو ادا نہ کرنے کی صورت میں خدا کی باز پرس کا خوف،انسانیت سے سچی محبت، ان سے ٹوٹ کر پیار اور سچا جذبۂ اندرون مطلوب ہے۔

جن لوگوں کو اس کام کی توفیق اللہ دے،انھیں چند باتیں اپنے ذہن میں اچھی طرح تازہ رکھنی چاہئیں:

(۱) اسلام کوئی نیا دین نہیں ہے جس کے بانی حضرت محمدؐ ہوں، یہ دین ابتدائے آفرینش سے اللہ کا پسندیدہ دین رہا ہے، جس کی اصل روح اپنے خالق و مالک کے آگے اپنی آزادی سے مکمل دستبرداری اور اس کی طرف سے آئے ہوئے سارے آدیشوں کا پالن اور ان کی پوری تابعداری ہے۔

یہی دین اللہ اپنے ایش دوتوں کے ذریعہ دنیا کے ہر ملک اور ہر قوم میں بھیجتا رہا۔ چاہے ان کی اپنی بھاشا میں اسلام کی جگہ اس کا کوئی اور نام رہا ہو۔ کچھ ایش دوتوں کا ذکر قرآن میں ہے اور بعض روایتوں کے مطابق یہ ایش دوت کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار آئے ہیں۔ انسان جب جب اللہ کو بھولا ہے، اس نے اپنے کو آزاد سمجھا ہے اور اس کے آدیشوں میں من مانی اور کتر بیونت کی ہے اللہ نے دوسرے ایش دوت کے ذریعہ اس کی اصلاح کر دی ہے۔ سب سے آخر میں انتم ایش دوت حضرت محمدؐ تشریف لائے ہیں۔ ان کو ایشور نے قرآن دے کر بھیجا۔ حضرت محمدؐ نے سارے ایش دوتوں کے سدھانتوں اور تعلیمات کو زندہ کیا اور اللہ نے ان کے ذریعہ اپنا دین اور اپنی سب سے بڑی نعمت انسانوں پر مکمل کر دی۔

(۲) اسلام کسی مخصوص قوم، کسی مخصوص علاقہ، کسی مخصوص زبان کے بولنے والوں، کوئی مخصوص رنگ رکھنے والوں اور کسی مخصوص نسل کا دین نہیں ہے۔ بلکہ یہ کچھ مخصوص نظریات اور اصولوں کا نام ہے جن کا تعلق ایشور کی معرفت، خود اپنی حقیقت کی دریافت اپنے جیسے انسانوں سے اور دنیا کی ساری چیزوں سے تعلق کی نوعیت، کائنات کی حیثیت اور موجودہ زندگی اور مرنے کے بعد کی زندگی سے ہے۔ ان اصولوں کو جو مان لے اور ان کے مطابق اپنی زندگی ڈھال لے وہ مسلم ہے چاہے اس کی زبان کوئی ہو، اور وہ کوئی رنگ رکھتا ہو، اور کسی نسل اور ذات اور علاقہ سے اس کا تعلق ہو۔

(۳) اللہ پر، حضرت محمدؐ پر، اللہ کی کتاب قرآن مجید پر اور اللہ کے پسندیدہ دین اسلام پر مسلمانوں کی ٹھیکیداری اور اجارہ داری نہیں ہے۔ جس طرح ہوا، پانی، سورج، چاند، دریا، پہاڑ سے فائدہ اٹھانے کا سب کو حق ہے، اسی طرح اسلام پر سارے انسانوں کا حق ہے۔

(۴) اس بات کو ذہن میں رکھنا اور دوسروں کے سامنے پیش کرنا ہوگا کہ مسلمان نامی قوم الگ ہے اور اسلام الگ ہے۔ ہوسکتا ہے کہ مسلمان قوم کے افراد کی زندگیاں اسلامی تعلیمات کے خلاف ہوں۔ اسلام کو سمجھنا ہے تو براہ راست قرآن وسنت اور رسول اکرم کی سیرت سے سمجھنا ہوگا۔ مسلمان قوم میں ہر طرح کے لوگ رہے ہیں۔ ہم اچھے لوگوں کی قدر کرتے ہیں اور برے لوگوں کو انسانیت کا دشمن سمجھتے ہیں۔

(۵) دنیا کے سارے انسان قرآن، حدیث اور عقل کی رو سے ایک ماں باپ کی اولاد اور آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ کوئی چھوٹا بڑا نہیں، تمام قومیں، تمام علاقوں کے لوگ، ہر طرح کا رنگ رکھنے والے، کوئی بھی زبان بولنے والے اور کسی بھی نسل اور ذات برادری سے تعلق رکھنے والے لوگ برابر ہیں۔ مرد اور عورت میں بھی انسان ہونے کی حیثیت سے کوئی تفریق نہیں ہے۔ رنگ ونسل اور زبان و

علاقہ کا یہ فرق صرف باہم ایک دوسرے کی شناخت اور تعارف کے لیے ہے۔اللہ کے نزدیک بڑا،عزت کے قابل وہ ہے جو اللہ سے سب سے زیادہ تعلق رکھتا اور اس کے حکموں کی خلاف ورزی نہیں کرتا،اللہ کا بھی حق ادا کرتا اور اس کے بندوں کا حق نہیں مارتا،اور جس کے دل میں اللہ کا بھئے (تقویٰ) سب سے زیادہ ہے۔(سورہ الحجرات،آیت نمبر۱۳/)

یہ بات نوٹ کرنے کی ہے کہ اسلام میں صلہ رحمی کی بڑی اہمیت ہے۔صلہ رحمی میں بڑی وسعت ہے۔اس میں تمام انسان آ جاتے ہیں۔ابوداؤد کی ایک حدیث میں ہے کہ ''نوع انسانی کے تمام افراد آپس میں حقیقی بھائی ہیں کیونکہ وہ سب ایک باپ اور ماں کی اولاد ہیں۔'' اسی حقیقت کا اظہار حضرت مغیرہ بن شعبہ نے ایرانی سپہ سالار رستم اور اس کے فوجی کمانڈروں کے سامنے کیا تھا کہ

والناس بنو آدم، فهم اخوة لاب وام ۔(تمام انسان آدم کی اولاد ہیں۔پس وہ سب کے سب آپس میں بھائی ہیں، سگے بھائی،ایک ماں باپ سے پیدا۔)

(البدایۃ والنہایۃ ج ۷۔ص ۳۹،بحوالہ سفینہ نجات از جلیل احسن ندویؒ)

معلوم یہ ہوا کہ اسلام میں صلہ رحمی کا دائرہ بہت پھیلا ہوا ہے جس سے کوئی انسانی گروہ خارج نہیں ہے۔یہ حقیقت ذہن میں بٹھانی چاہیے اور کوشش کی جانی چاہیے کہ کسی کی حق تلفی نہ ہو،خواہ سامنے والا اس کا لحاظ کرے یا نہ کرے۔ارشاد گرامی ہمیشہ سامنے رہے:

صِلُ مَنْ قَطَعَكَ۔(جو تمھیں کاٹے تم اسے جوڑو۔)

(۶) اسلام میں سب سے زیادہ اہمیت رکھنے والی چیز عدل وانصاف ہے۔اسی کے لئے انبیاء بھیجے جاتے رہے ہیں۔عدل کا مطلب مساوات نہیں کہ باپ اور بیٹے اور معذور اور صحت مند سے ایک سا معاملہ کیا جائے۔عدل وقسط کا مطلب ہے کہ جس کا جو حق ہے اسے پورا کا پورا دیا جائے،کسی کی ذرہ برابر حق تلفی نہ ہو،اس معاملہ میں دوست دشمن،بادشاہ اور رعیت میں کسی قسم کا امتیاز نہ ہو،قانون کی نگاہ میں سب برابر ہوں،اگر اس کی زد خود اپنے اعزہ واقارب اور والدین پر بھی پڑتی ہو تو اسے گوارا کیا جائے۔کس کا کیا حق ہے اس کا فیصلہ اللہ نے انسانوں پر نہیں چھوڑا ہے بلکہ ہر ایک کا حق خود متعین کر دیا ہے،انسانوں کا کام ہر ایک کو اس کا پورا پورا حق دینا اور اس میں فیاضانہ معاملہ کرنا ہے۔حکومت کا کام ہے کہ دیکھتی رہے کہ کسی کے ساتھ زیادتی نہ ہو۔

اسی عدل کے نہ ہونے کے نتیجہ میں فسادات جنم لیتے ہیں،ایک دوسرے کا خون بہتا،لڑائیاں ہوتیں اور امن وسکون غارت ہوتا ہے۔اگر کسی کا حق چھینا جاتا ہے اور کسی کے ساتھ زیادتی ہوتی ہے تو

پھر لازمی طور سے اس کا ردِعمل بھی ہوتا۔ آج پوری دنیا اسی ظلم وجور اور جوابی ردعمل کی آماجگاہ ہے اور اس بیچ معصوم انسان بھی پسیے جا رہے ہیں۔ اور بدقسمتی سے یہ ظلم اور اس پہ ردِعمل افراد، اقوام اور حکومت ہر سطح پر ہو رہا ہے۔

(۷) اسلام انسان کی جان، مال، عزت وآبرو اور آزادی رائے کو غیر معمولی اہمیت دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو سوچنے سمجھنے اور خیر وشر کا امتیاز کرنے کی صلاحیت دینے کے ساتھ فکر ونظر کی آزادی کے ساتھ اس دنیا میں پیدا کیا ہے۔ کسی کی عزت سے کھیلنا، اس کی دل شکنی کرنا، اس کو اس کی آزادیٔ رائے سے محروم کر کے کوئی مخصوص عقیدہ ونظریہ اس پر مسلط کرنا، کسی کا مال اور جائیداد ہڑپ کرنا اسلام میں قطعاً حرام ہے۔ انسانی جان کی اس قدر اہمیت ہے کہ قرآن کے مطابق اگر کسی نے ایک انسان کا ناحق خون بہایا تو گویا اس نے سارے انسانوں کی جان لے لی، اور اگر کسی نے ایک جان بچائی تو اس کا مقام یہ ہے کہ اس نے سارے انسانوں کی جان بچائی۔ کسی انسان کا خون بس دو صورتوں میں حلال ہے۔ تیسری کوئی صورت نہیں۔ ایک یہ کہ اس نے کسی کی جان لی ہو یا فساد فی الارض کا مرتکب ہوا ہو۔ ایسی صورت میں بھی کسی کی جان لینا افراد کا کام نہیں، حکومتِ وقت کا کام ہے۔

اسلام کے قبول کرنے یا رد کرنے کے معاملہ میں اس دنیا میں کسی پر کوئی زور زبردستی روا نہیں ہاں، آخرت کا معاملہ الگ ہے۔

لَا إِكْرَاهَ فِيْ الدِّيْنِ۔ (سورہ البقرہ:۲۵۶)

(دین کے معاملہ کوئی جبر واکراہ نہیں۔)

وَقُلِ الْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ فَمَن شَاء فَلْيُؤْمِن وَمَن شَاء فَلْيَكْفُرْ إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِيْنَ نَاراً أَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا۔ (سورہ الکہف:۲۹)

(بتادو کہ حق تمہارے رب کے پاس سے آچکا ہے۔ تو اب جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے انکار کردے (آخرت کا معاملہ جدا ہے) وہاں ہم نے ظالموں کے لیے ایسی آگ تیار کر رکھی ہے جس کی قناتیں انھیں گھیر لیں گی۔)

دوزخ کی آگ سے انسانوں کو بچانے کی خاطر نبیؐ کی حد سے بڑھی ہوئی بےچینی پر سمجھایا گیا کہ

وَلَوْ شَاء رَبُّكَ لآمَنَ مَن فِيْ الأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعاً أَفَأَنتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّى يَكُونُواْ مُؤْمِنِيْنَ (سورہ یونس:۹۹)

(اگر تمہارا رب چاہتا کہ (لوگ زبردستی ایمان لے آئیں) تو روئے زمین کے سارے

لوگ ایمان لے آتے (لیکن اس نے زبردستی پسند نہیں کی بلکہ اس معاملہ میں آزادی دی) تو اے نبی کیا تم لوگوں کو مجبور کروگے کہ وہ ایمان لے آئیں؟)

دوسری جگہ ہے:

فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنتَ مُذَكِّرٌ لَّسْتَ عَلَيْهِم بِمُصَيْطِرٍ إِلَّا مَن تَوَلَّى وَكَفَرَ فَيُعَذِّبُهُ اللَّهُ الْعَذَابَ الْأَكْبَرَ ۔(سورہ الغاشیہ:۲۱ تا ۲۴)

(تم یاد دہانی کرادو۔تم تو بس یاد دہانی کرانے والے ہو، ان پر کوئی داروغہ مسلط نہیں کئے گئے ہو(کہ زبردستی ان پر اسلام مسلط کردو) ہاں، جو لوگ اعراض کریں گے اور (حق کے) انکار پر جمے رہیں گے، اللہ انھیں بڑی سزا دے گا۔)

بعض آیات اور بعض احادیث کا موقع ومحل نہ سمجھنے کے نتیجے میں غلط فہمی پیدا ہوتی ہے۔جیسے حدیث میں ہے:

أمرت أن اقاتل الناس حتٰی یشهدوا أن لا اله اِلا الله ...یامن بدل دینه فاقتلوه۔

(مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ان لوگوں سے اس وقت تک جنگ کرتا رہوں جب تک یہ لا الہ الا اللہ کی گواہی نہ دے دیں۔یا۔جو اپنا دین بدل دے اسے مارڈالو۔)

یا جیسے قرآن میں ہے:

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدتُّمُوهُمْ ۔(سورہ التوبہ:۵)

(ان مشرکین کو جان سے مارڈالو جہاں کہیں انہیں پاؤ۔)

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ ۔(سورہ البقرہ:۱۹۳)

(اور ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ ان کا شرکِ جارح ختم ہوجائے اور اطاعت پوری کی پوری اللہ کے لئے خاص ہوجائے۔)

یہ احادیث یا اس طرح کی آیات کا مخصوص سیاق ہے جو قرآن پر یا پورے ذخیرہ احادیث اور سیرت نبوی پر غور کرنے والوں کی نگاہوں سے اوجھل نہیں۔اس کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب رسولوں کو مبعوث کرتا ہے(عام انبیاء کا یہاں تذکرہ نہیں ہے، انہیں تو قتل بھی کیا گیا ہے) اور رسول آکر افہام وتفہیم کا حق ادا کردیتے ہیں اور محبت پوری ہوجاتی ہے(اور اس کے بارے میں بھی اللہ ہی بتاتا ہے کہ اب حق ادا ہوگیا اور حجت پوری ہوگئی) اور قوم جانتے بوجھتے انکار پر جمی رہتی ہے تو خدائی عذاب آسمان وزمین سے نمودار ہوتا اور قوم کا استیصال کردیتا ہے اور کبھی حالات کا تقاضا ہوتا ہے تو یہ کام رسول

اوراس کے ساتھیوں سے لیا جاتا ہے۔

محمدؐ اللہ کے آخری رسول تھے۔ آپؐ نے حجت پوری کردی تو آخر میں اللہ کا فیصلہ ہوا کہ انکار پر جمے رہنے والوں کے ساتھ نبیؐ اور اس کے ساتھیوں کے ذریعہ اسی قانون کا نفاذ ہوگا۔ اس طرح کی آیات واحادیث کا تعلق جزیرۂ عرب کے رہنے والوں سے تھا جن پر آپؐ نے حجت پوری کردی، اس کا تعلق ساری دنیا کے انسانوں سے نہیں ہے۔ یہ خدا کی خاص سنت یا خدا کا مخصوص قانون ہے جو لازماً رسولوں کا انکار کرنے والوں کے ساتھ نافذ ہوتا رہا ہے۔ قوم نوح، قومِ عاد، قومِ ثمود، قومِ ابراہیم، قومِ شعیب، قوم لوط، سب پر یہ قانون بے کم وکاست لاگو ہوا ہے۔ فرعونِ مصر اپنی فوجوں سمیت اسی بنیاد پر غرق ہوا اور اس کے بعد مصر میں اسی طرح کی عظیم تباہی آئی۔ پھر سمندر پار کرنے کے ایک عرصہ بعد انہی بنی اسرائیل کے ہاتھوں یہ کام کرایا گیا۔

مَنْ بَدَّلَ دینه فاقتلوه۔ (جو شخص اپنا دین بدل ڈالے اسے مار ڈالو) کو بھی اسی سیاق میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔ یعنی جزیرہ عرب کے ایسے لوگ جن پر حجت پوری ہوگئی، اگر ان پر مذکورہ بالا سنتِ الٰہی نافذ ہوسکتی ہے تو ایسے ہی یہ لوگ جب دوبارہ انکار کردیں تو ان پر یہ قانون کیوں نہیں نافذ ہوسکتا؟ اس طرح کی روایات یا واقعات کو اس تناظر میں غور کرنے سے مسئلہ صاف ہوجاتا ہے کہ اس کا تعلق نہ ساری دنیا سے ہے اور نہ سارے زمانہ سے۔ یہ حکم محدود علاقہ اور مخصوص لوگوں کے لئے تھا۔

قرآن میں اس طرح کی جو آیات ہیں۔ جیسے

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِيْنَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُم فِيْ الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِن قَبْلِهِمْ۔ (سورہ النور: ۵۵)

(تم میں جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کیا اللہ نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ انہیں اس سرزمین میں لازماً اقتدار بخشے گا جیسے کہ ان سے پہلے کے لوگوں کو اس نے اقتدار دیا تھا۔)

كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِيْ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ۔ (سورہ مجادلہ: ۲۱)

(اللہ نے یہ بات لکھ دی ہے کہ میں اور میرے رسول لازماً غالب ہوں گے۔ بلاشبہ اللہ قوت رکھنے والا اور زبردست ہے۔)

إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ آمَنُوا فِيْ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْأَشْهَادُ (مومن: ۵۱)

(یقیناً ہم مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں اور ان لوگوں کی جو ایمان لائے دنیا کی زندگی میں اور (اس روز بھی ہماری مدد انہیں حاصل ہوگی) جس دن گواہ اٹھیں گے۔)

هُوَ الَّذِیْ أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهُ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهِ وَلَوْ کَرِهَ الْمُشْرِکُوْنَ۔ (سورہ الصّف:۹)

(وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ وہ اسے سارے دینوں پر غالب کر دے اگر چہ مشرکوں کو نا گوار ہو۔)

نصرت کے یہ حتمی اور قطعی وعدے دراصل رسولوں اور ان کے ساتھیوں سے ہیں۔ دنیا نے دیکھا کہ وہ پورے ہوئے۔ عام مسلمانوں اور ان کی دعوت واصلاح کی تحریکوں سے متعلق یہ قطعی وعدے نہیں ہیں، ان کا معاملہ مختلف ہے۔ عام انبیاء کے ساتھ بھی یہ معاملہ نہیں رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت ومشیت کے مطابق جبکہ یہ لوگ اپنے آپ کو اس کا اہل ثابت کر لیں، جب مناسب سمجھتا ہے ان کے سروں پر فتح وکامرانی کا تاج رکھتا ہے۔ ان کی ذمہ داری بس یہ ہے کہ اپنی بساط بھر دعوت واصلاح کا کام محبت وحکمت کے ساتھ پرامن طریقے سے کرتے رہیں۔ نتیجہ کے لئے بے قرار نہ ہوں۔

''دین کے معاملہ میں زور زبردستی نہیں ہے'' اس بات کو سمجھ لینے سے یہ بات بھی بآسانی سمجھی جاسکتی ہے کہ خود مسلمانوں کے درمیان بعض مسائل کی بنیاد پر جو کشت وخون برپا ہے کیا اس کی گنجائش نکلتی ہے؟ ہمارے ائمہ کرام کا طرز عمل یہ تھا کہ جس مسلک پر وہ عامل تھے اس کے بارے میں وہ سمجھتے اور کہتے تھے کہ ہمارے نزدیک یہ اقرب الی الصواب یا اقرب الی القرآن والسنۃ ہے لیکن اس بات کا بھی امکان ہے کہ ہماری رائے غلط ہو اور ہم سے مختلف رائے رکھنے والے کی بات زیادہ درست ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے درمیان تضلیل وتفسیق اور اس سے آگے بڑھ کر تکفیر کے معرکے گرم نہیں ہوتے تھے۔

میں نے رسولوں کے باب میں جس خاص سنتِ الٰہی کا حوالہ دیا ہے، اسی سلسلہ کی ایک ضمنی بات یہ ہے کہ حضرت محمدؐ کے ذریعہ جب اتمام حجت ہوگیا اور نہ ماننے والوں کے سلسلہ میں خدا کی سنت نافذ ہوئی تو اس باب میں اہلِ کتاب کے لئے یہ نرمی اختیار کی گئی کہ انہیں جزیہ دے کر اسلامی حکومت میں رہنے کی اجازت دی گئی اور اسلامی حکومت پر ان کی جان ومال کی حفاظت کی ذمہ داری ڈالی گئی۔ اس کی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ مشرکین کے دین کی بنیاد اصلاً شرک ہے اور اہل کتاب کے دین کی بنیاد اصلاً توحید ہے، اگر چہ کہ تاویل کے راستہ سے شرک آ گیا ہے جیسے کہ ہم مسلمانوں کے یہاں توحید کے اصل ہونے کے باوجود تاویل کے راستہ سے بعض گروپوں اور فرقوں میں یہ چیز دیکھی جاسکتی ہے۔

میری اس گفتگو سے یہ بات واضح ہوئی کہ کسی قوم کو مفتوح اور محکوم کر کے ہمارے لئے اب یہ درست نہیں ہوگا کہ ہم انہیں دوسرے درجہ کا شہری قرار دے کر جزیہ لگائیں۔ اب علاقائی بنیاد پر قومی

حکومتوں کا دور ہے اور یہ دور تاریخ انسانی میں پہلی بار دیکھا گیا ہے۔قومی حکومتوں میں ملک کا ہر شہری برابر کا شریک حکومت ہوتا ہے۔کسی کو دوسرے درجہ کا شہری قرار نہیں دیا جاسکتا۔سب کو یکساں طور سے تمام بنیادی حقوق حاصل ہوتے ہیں اور ہم سمجھتے ہیں کہ نظامِ حکومت کا طریقہ’’ وامرھم شوریٰ بینھم‘‘ کی بنیاد پر شورائی جمہوری سے بہتر کوئی دوسرا نہیں۔اگر کہیں ہم اکثریت میں ہوں گے تو مسلمانوں کے درمیان اسلامی شریعت کا نفاذ کریں گے۔اگر پوری مملکت میں ایک بھی غیر مسلم ہے تو وہ حقوقِ شہریت میں برابر کا شریک ہوگا۔اسے اپنے دین پر عمل کرنے کی مکمل آزادی ہوگی۔اس کے معابد یا اس کی مقدس جگہوں یا اس کی مقدس شخصیات یا اس کی تاریخی یادگاروں سے چھیڑ چھاڑ کرنے کا ہمیں کوئی حق نہ ہوگا۔ ہماری تاریخ میں اسلام پر عمل کرنے والے حکمرانوں کا یہی طرزِ عمل رہا ہے۔

ایک اور بات کا تذکرہ شاید بےمحل نہ ہو۔’’دعوتِ دین اور اس کا طریقہ کار‘‘ مولانا امین احسن اصلاحی مرحوم کی ایک شاہکار کتاب ہے۔اس میں انھوں نے ذکر کیا ہے کہ دعوت کے تین مراحل ہیں ’’دعوت، ہجرت اور جہاد‘‘ بڑے ادب سے عرض ہے کہ اس سے غلط فہمی ہوتی ہے۔انھوں نے جن مراحل کا ذکر کیا ہے وہ رسولوں کی دعوت کے مراحل ہیں۔رسولوں کے بعد کے لوگوں کی دعوت کن ادوار سے گذرے گی یہ کتاب اس سلسلہ میں خاموش ہے۔رسول خدا کی رہنمائی میں کام کرتا تھا۔اسے خدا کی طرف سے بتایا جاتا تھا کہ افہام وتفہیم کا مرحلہ ختم ہو چکا، حجت تمام ہوگئی، یہ خالص اجتہادی مسئلہ نہیں ہے۔اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کس قوم کو کتنا موقع ملنا چاہئے۔ختمِ رسالت کے بعد وحی کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ ہمارے پاس اب کوئی یقینی ذریعہ علم نہیں ہے اور ہم رسولوں کی طرح دعوت کا حق ادا بھی نہیں کرسکتے کہ فیصلہ کرلیں کہ حجت پوری ہوگئی۔عمرؓ کس ارادے سے نکلے تھے، خالدؓ بن ولید نے کتنا نقصان پہنچایا تھا، سفیانؓ کا کیا کردار تھا، عکرمہؓ کی دشمنی کا کیا حال تھا، ان کے اسلام لانے سے پہلے کیا کوئی سوچ سکتا تھا کہ یہ اسلام کے جانباز سپاہی ثابت ہوں گے۔حضرت یونس علیہ السلام نے اپنے اجتہاد سے ہجرت کا فیصلہ کرلیا جس کے نتیجہ میں انھیں اللہ کی ناراضگی کا سامنا کرنا پڑا۔حضرت ابراہیم جیسا جلیل القدر پیغمبر قوم لوط کے معاملہ میں مزید مہلت کی سفارش کرتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتے۔اس معاملہ میں یہ دو جلیل القدر انبیاء کے اجتہادات ہیں۔ہم کس قطار میں ہے۔ہمارے لئے اب ہر حال اور ہر صورت میں ہر ممکن طریقہ سے صرف دعوت رہ جاتی ہے۔دعوت کے نتیجہ میں اگر اسلام غالب آتا ہے تو اس کے افراد کو نہیں، اس کی حکومت کو ظلم اور فساد کے خلاف جہاد کی اجازت ہوگی۔اگر ایسا نہیں ہوتا تو یہ کسی طرح جائز نہیں ہوگا اور نہ کبھی تھا کہ نہ ماننے والوں کے خلاف طاقت استعمال کی جائے۔

۸)　　یہ بات ملحوظ رہے کہ دعوت یعنی اللہ کی طرف بلانے والے اس عمل کا محرک ہرگز یہ نہیں ہے کہ ہماری تعداد بڑھ جائے، ہماری طاقت میں اضافہ ہو جائے اور ہماری حکومت قائم ہو جائے۔ ہم اپنی حکومت کے قائل ہی نہیں، ہماری خواہش تو بس یہ ہے کہ لوگ اللہ کی حکومت تسلیم کر لیں اور یہ مان لیں کہ اللہ ہمارا پروردگار ہے۔ ہمارے لئے صحیح رویہ اس کی بندگی اور غلامی ہے، مرنے کے بعد ہمیں اس کے حضور حاضر ہونا اور اپنے فکر وعمل کے مطابق جزا پانا ہے۔ اس عمل کا محرک صرف یہ ہے کہ ہم پر خدا کی طرف سے عائد کردہ یہ فریضہ ہے، اس فریضہ کو ادا نہ کرنے پر خدا کی عدالت میں ہماری باز پرس ہوگی، نیز دنیا کے سارے انسان ہمارے بھائی ہیں، وہ سسک رہے ہیں، پریشان ہیں، ان کے درد کی دوا ہمارے پاس ہے، ہمارا انسانی اور اخلاقی فرض ہے کہ یہ دوا ہم انھیں دیں اور انتہائی اہم بات یہ ہے کہ ہم خدائی ہدایت کے امین ہیں۔ اگر ہم نے اسے چھپایا اور دنیا کے انسان خدا کو اور خدا کی ہدایت کو نہ پا سکنے کے نتیجہ میں خدا سے بغاوت کرتے رہے تو وہ دوزخ کا لقمہ بنیں گے اور ہم بھی باز پرس سے محفوظ نہیں رہ سکیں گے۔ انسانوں سے ہمدردی کا تقاضا ہے کہ انھیں دوزخ کی آگ سے بچانے کی کوشش کریں۔ دوسرے ضمنی فوائد ہمارے عمل کا محرک نہیں، وہ اس کے لازمی نتائج ہیں۔

اس کام کی اہمیت ارباب مدارس عربیہ اور صحیح دینی شعور رکھنے والے سبھی زعماء اور دانشورانِ ملتِ اسلامیہ کے سامنے واضح کی جائے، ان سے گفتگو کر کے، اس پر مضامین لکھوا کر، سمینار منعقد کرا کر، ان کے پاس جا کر، ان کو اپنے پاس بلا کر، اس کی طرف متوجہ کیا جائے۔ خوشی اور مسرت کی بات ہے کہ اب مختلف حلقے اس جانب توجہ دینے لگے ہیں۔ لیکن بات ابھی تک سوچ، تذکرہ اور تقریر سے آگے کم بڑھی ہے۔ میں اس جماعت کی بات کرتا ہوں جس کا بنیادی ہدف ہی دعوت واصلاح ہے، یہاں بھی معاملہ گفتگو اور پروگرام بنانے سے آگے عمل کی جانب نہیں بڑھا ہے۔ اس جانب پیش رفت نہیں کے برابر ہے۔ کچھ تو جھجک اور حجاب حائل ہے اور کچھ دوسرے اسباب وعوامل کارفرما ہیں اور ایک بڑی رکاوٹ ہمارا اپنا نسلی مسلمان معاشرہ ہے، جو اسلام کی نمائندگی تو کجا، اس کے عمل سے اسلام کی تصویر مسخ ہو کر سامنے آتی ہے۔ بہر کیف مایوس ہونے کا مقام نہیں، ہمیں تو اپنا فرض بجالانے کی کوشش کرنا ہے۔ ہمارے ذمہ دوہرا کام ہے ایک طرف تو مسلم معاشرہ کے اندر دعوت واصلاح کا کام کرنا اور ایک مثالی مسلم معاشرہ قیام ہے، دوسری جانب اپنے پاس پڑوس، گاؤں، شہر، صوبہ اور اہل وطن کو اللہ اور اس کی بندگی کی طرف بلانا ہے۔

انبیائی دعوت کا فریضہ ادا کرنے والوں کو دعوت کے ضمن میں چند امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، جو

نکات کی صورت میں درج کئے جاتے ہیں:

(۱) خالص دین کی دعوت توحید، رسالت، آخرت دی جانی چاہئے، مسلک و مذہب کی نہیں۔

(۲) انسانی فطرت کے نزدیک جو معروف و منکر ہے، اسے اجاگر کیا جائے جیسا کہ سورہ نحل کی (آیت: ۹۰) میں اجمالاً اور سورہ بنی اسرائیل کی (آیت: ۲۲؍تا ۴۰؍) میں تفصیلاً درج ہیں یا سورۂ لقمان آیت ۱۲ تا ۱۹ میں حضرت لقمان کی نصیحت یا سورہ فرقان کے آخری رکوع میں عباد الرحمان کے جو اوصاف بیان کئے گئے ہیں، ان جیسی آیات کو سامنے رکھا جائے۔

(۳) توحید اور آخرت کو بہت نمایاں کر کے پیش کیا جائے۔

(۴) اپنے دور کے منکرات کی قباحت پیش کی جائے جیسا کہ مختلف انبیائے کرام نے اپنے اپنے زمانہ میں پائی جانے والی برائیوں پر تنقید کی ہے۔

(۵) اپنے اور مدعو کے درمیان متفق علیہ باتوں سے گفتگو شروع کی جائے۔

(۶) فروعات میں الجھنے کے بجائے بنیادی اور اصولی باتوں پر گفتگو مرکوز رکھی جائے اور اس میں بھی اہمیت کے اعتبار سے ترتیب ملحوظ رکھی جائے۔ دین میں جس چیز کا جو مقام ہے اس کو وہی حیثیت دی جائے، عقائد اور اعمال میں اوّلیت کو اوّلیت اور ثانویت کو ثانویت کا مقام دیا جائے۔ ترتیب الٹ پلٹ نہ کی جائے اور ایک تدریج کے ساتھ دین کو آسان بنا کر اور یہ دکھا کر یہ اللہ کی کتنی بڑی رحمت ہے، بات آگے بڑھائی جائے۔

(۷) مدعو کے سامنے اسلام اور مسلمانوں کا فرق بیان کر دیا جائے۔ اسلام وہ ہے جو قرآن وسنت اور سیرتِ رسول سے سامنے آتا ہے۔ اگر کسی مسلمان کا عمل اس کے برخلاف ہے تو وہ اسلام سے دوری کا نتیجہ ہے۔ اس کی ذمہ داری اسلام پر نہیں ہے۔

(۸) آپ کی گفتگو میں مناظرانہ رنگ نہ آنے پائے، مذہبی شخصیات اور دوسروں کے مقدسات کے ذکر میں شائستہ زبان کا استعمال ہو۔ آپ کا مخاطب لاکھ دشنام طرازی پر اتر آئے، آپ کے اندر اشتعال نہ پیدا ہو، آپ اپنے مقام سے نیچے نہ گریں۔

(۹) لوگوں کے مقام و مرتبہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے گفتگو کریں۔ بیٹے، بھائی، جناب، سر، انکل، بابا، مائی، بہن جی، دوست، ایم ایل اے صاحب، ایم پی صاحب، منسٹر صاحب یا داروغہ صاحب جیسے الفاظ آپ کی زبان پر آئیں۔ حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ کو فرعون جیسے جابر و قاتل سے نرم انداز میں گفتگو کا حکم دیا گیا۔

(۱۰)اس بات کی پوری کوشش کریں کہ کوئی ایسا اسلوب، جملہ، لفظ یا لہجہ نہ ہو جس سے مخاطب کے جذبات مجروح ہونے کا اندیشہ ہو۔

(۱۱) آپ طہارت و نظافت کا پورا اہتمام رکھیں، ظاہری طور پر بھی صفائی اور سلیقہ مندی آپ سے جھلکے، آپ کی وضع قطع بھی مناسب ہو، ایسا نہ ہو کہ بال بے ہنگم یا منڈے ہوں، ناخن بڑھے ہوں، مونچھیں بڑھی ہوں۔ ظاہری طور پر بھی آپ صاف ستھرے، اچھے اور اسمارٹ نظر آئیں۔ یہ تو ہوسکتا ہے کہ کپڑا معمولی ہو لیکن صاف ستھرا ہو، اگر کپڑے پھٹے بھی ہوں تو سلے ہوئے ہوں، ایسا نہ ہو کہ جسم سے یا کپڑوں سے بدبو آرہی ہو، غسل کا اہتمام ہو، خوشبو کا استعمال ہو۔

(۱۲) مناسب وقت اور موقع محل کی رعایت سے گفتگو ہو۔ گفتگو میں لوگوں کی نفسیات ملحوظ رکھی جائیں (اس کے لئے علم نفسیات کا مطالعہ مفید رہے گا)۔

(۱۳) اس بات پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے کہ ہمارے مخصوص لباس اور ہماری مخصوص وضع قطع میں کس حد تک گنجائش ہے کہ ہم سامنے والے کے لئے بدکنے کی چیز یا کارٹون نہ بن جائیں۔

(۱۴) اسکولوں اور کالجوں میں مسلم طلبہ و طالبات غیر مسلم طلبہ و طالبات سے خصوصی مراسم رکھیں۔ ایک دوسرے کے یہاں خوشی اور غمی کے مواقع پر آئیں جائیں، ہدایا اور تحائف کا تبادلہ ہو۔

(۱۵) جو مسلمان زندگی کے جس شعبہ سے تعلق رکھتا ہے وہ اپنے حلقے میں اُن باتوں کو بطور خاص ملحوظ رکھے۔ آپ کی مختلف حیثیتیں ہوسکتی ہیں۔ تاجر ہیں، کسان ہیں، ملازم اور مزدور ہیں، مزدوروں سے کام لینے والے ہیں۔ (کہیں افسر ہیں، ڈاکٹر ہیں، استاد ہیں، کسی کے پڑوسی ہیں سفر کررہے ہیں، جو بھی آپ کی حیثیت ہے) آپ ایماندار، شریف، لوگوں کے خیرخواہ اور لوگوں کے کام آنے والے کی حیثیت سے جانے جاتے ہوں۔

(۱۶) دعوتِ اور ابلاغِ عام کے تمام ممکنہ ذرائع اختیار کئے جائیں اور ہر طبقہ سے تعلق پیدا کیا جائے۔ سڑکوں پر جھاڑو دینے والے سے لے کر، اعلیٰ مناصب پر رہنے والے، پولیس، فوج اور انتظامیہ کے چھوٹے بڑے افراد سے۔ اس مقصد کے لئے اسپتالوں میں مریضوں سے ملا جائے، جیلوں میں پڑے مجرمین سے ربط پیدا کیا جائے۔

(۱۷) مثالی مسلم معاشرہ کا قیام اس راہ میں بہت ممد و معاون ہے، اس کی طرف توجہ کی جائے۔

(۱۸) دعوت و اصلاح کا کام کرنے والوں کو لوگ دلوں میں بساتے اور پلکوں پر سجاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو حقوق کی لڑائی اور عملی سیاست سے بالکل دور رہنا چاہئے۔ اہل دعوت کرسیِ اقتدار کے لئے

کشمکش میں اپنی توانائی ضائع کرنے اور دوسروں کو اپنا حریف بنانے کے بجائے دعوت کو اہلِ اقتدار تک پہنچانے کی کوشش کریں۔ ہماری تاریخ میں علماء اور صوفیہ کا بڑا طبقہ اسی طریقہ پر عامل رہا ہے۔

(۱۹) یہ بات ذہن میں بٹھا لینی چاہئے کہ لوگ تقریروں اور کتابوں سے کم متاثر ہوتے ہیں۔ کسی چیز کی طرف مائل ہونے میں انسان دماغ سے زیادہ دل کی بات سنتا ہے۔ اس لئے ہمارے اندر انسانوں سے سچی ہمدردی، دکھ درد میں شرکت، ان کے مسائل کو حل کرنے کی عملی کوشش، انسانوں کی خدمت اور ان کے کام آنا، ان سے اس حد تک ربط کہ گھریلو حالات سے آگاہی، انسانوں کے مشترک مسائل کو حل کرنے میں حصہ لینا، آفاتِ ارضی وسماوی کے موقع پر بلاتفریقِ مذہب وملت ہر مصیبت زدہ کے کام آنا، ہدیوں کا لینا دینا، ان کے بچوں سے پیار، ان کے والدین کی خبر گیری، بیماروں کی عیادت، مزاج پرسی اور مدد، اس کے علاوہ اور بھی بہت سی چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں جن کی طرف توجہ نہیں ہوتی مثلاً، صفائی، سلیقہ مندی، ہمارا کچن صاف ہو، چیزیں قرینے سے رکھی ہوں، ٹوائلٹ بالکل صاف ستھرا ہو، ہمارے بچے گندے نہ ہوں، ہمارے گھروں کے سامنے اور آس پاس صفائی ہو، مسکراہٹ ہمارے لبوں پر کھیلے، ہمارے منہ سے پھول جھڑیں، ہم راستہ سے تکلیف دہ چیزیں ہٹادیں۔ ہمارا کردار بے داغ ہو، صداقت ہماری شناخت ہو، خدمت وخیر خواہی ہمارا شیوہ ہو، کسی کا بھی برا نہ چاہیں، کسی کی ہم سے دل آزاری نہ ہو، اپنے حق سے کم پر راضی ہوجائیں۔ ہر حال میں عدل وانصاف کی بات کریں اور خود بھی عدل وانصاف پر قائم رہیں، چاہے ہمارا کتنا بڑا نقصان ہو۔ اسی طرح بہت سی چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں جن کی جانب سے غفلت ہوتی ہے ان سے بچیں۔ مثلاً بجلی کی چوری، بلاٹکٹ سفر، ڈیوٹی کے لیے وقت پر نہ آنا، یا وقت سے پہلے ہی نکل جانا، یا رہتے ہوئے وقت ضائع کرنا یا ڈیوٹی کے اوقات میں کام چھوڑ کر اورادو وظائف اور تلاوت قرآن سے ایسا اشتغال کہ کام متاثر ہو یا کوئی آفس میں کام کے لیے آرہا ہو اور آپ کے چہرے سے ناگواری ظاہر ہورہی ہے کہ تلاوت میں خلل انداز ہوگیا، ٹریفک کے اصولوں کی عدمِ پابندی، زبان کا نامناسب استعمال، غیبت، برے القاب دینا، لوگوں کے عیبوں کی تلاش، اور تمسخر، ہر حال میں بدگمانی، کرخت آواز میں بلانا، گال پھلانا، خود اپنے گھروں، اپنے رشتہ داروں، اداروں اور تنظیموں میں غیر عادلانہ کردار، انانیت، خودسری، عہدہ ومناصب کی خواہش اور اس کے لئے گروہ بندی، اخلاص کو اپنے اندر محصور اور اپنے ہی کو صالح اور باصلاحیت سمجھنا کہ فلاں کام کرنے کے بس ہم ہی اہل ہیں اور دوسرے کسی لائق نہیں، اس طرح کی سوچ اور دمنہ جیسی چالیں، گروہی، علاقائی، نسلی تعصّبات، علمی مسائل میں رایوں کا اختلاف گوارانہ کرنا، وغیرہ۔ اگر ہم غور کریں تو اور بہت سی باتیں ہمارے سامنے

ایسی آسکتی ہیں جو کرنے کی ہیں اور بہت سی ایسی جو بچنے کی ہیں۔ داعی کو بڑی باریک بینی سے ان کا لحاظ رکھنا چاہئے۔

حاصل کلام یہ ہے ہم جتنے زیادہ فضائلِ اخلاق سے متصف اور رذائلِ اخلاق سے مجتنب ہوں گے آخرت میں بھی کامیاب ہوں گے، دنیا میں بھی ہماری باتوں میں کشش ہوگی اور لوگوں کے دلوں میں ہماری محبت ڈال دی جائے گی۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَنُ وُدًّا (سورہ مریم:۹۶)

(جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کرتے رہے خدائے رحمان ان کے لئے محبت پیدا کردے گا۔)

جیسا کہ میں نے پہلے کہا کہ انسان دماغ سے کسی چیز کی طرف کم مائل ہوتا ہے۔ اس کے سامنے اچانک کوئی ایسا واقعہ یا ایسی بات آجاتی ہے کہ اس کا دل متأثر ہوجاتا ہے اور بے اختیار جادوگرانِ فرعون کی طرح دہ سجدے میں گر پڑتا ہے۔

اس طریقے سے اس عظیم کار دعوت کے لیے ہمالہ صفت حوصلہ مند نوجوانوں کی ضرورت ہے۔ جن کی جوانیاں مصعبؓ بن عمیر کی طرح اس کام کے لئے لگ جائیں۔ وہ مصعب بن عمیر کہ مکہ میں ان سے زیادہ فیشن ایبل کوئی دوسرا نوجوان نہیں تھا، نئے نئے کپڑے زیب تن کرتا، خوشبو سے معطر رہتا، جس گلی سے گزر جاتا وہ گلی دیر تک خوشبو میں بسی رہتی، جب یہی نوجوان مدینہ میں دعوت کے لئے آتا ہے تو چند مہینوں میں وہاں کی دنیا بدل جاتی ہے، اسے اب نہ اپنے کھانے کا خیال ہے اور نہ آرام کی فکر نہ غم ہے عطر سے محرومی کا، اور نہ رنج ہے پھٹے پرانے کپڑوں پر، مدینہ آنے کے بعد حضورؐ کی نگاہ ایک روز اس نوجوان پر پڑتی ہے تو اس وقت تک اتنا تغیر ہو چکا تھا کہ پہچان نہیں پاتے۔ بتانے پر آپؐ کی آنکھیں بھیگ جاتی ہیں اور جب وہ نوجوان شہید ہوتا ہے تو اتنا کفن بھی نصیب نہیں ہوتا جو پورے جسم کو ڈھانک سکے، کون کہتا ہے کہ اس نوجوان نے اپنا کیریئر برباد کیا، نہیں ہرگز نہیں، اس نے اپنا کیریئر بنالیا۔ آج ہم کیریئر کے چکر میں ادھر نہیں آتے۔ ہے کوئی نوجوان جو مصعب بن عمیر کے کردار کو دوہرائے؟! زمانہ انتظار کر رہا ہے۔

مردِحق آگاہ کا پیغام،
علماء ھند کے نام

مصر کی جیل سے مشہور عالم ڈاکٹر صلاح سلطان کی ایمان افروز تحریر

ترجمہ: **ڈاکٹر محی الدین غازی**

جیل کی تاریک کوٹھری سے میرا یہ پیغام سرزمین ہند کے ہر بزرگ اور ہر نوجوان عالم کے نام ہے۔ جیل کا ذکر قرآن مجید میں دس مرتبہ ہوا ہے، اور ہر مرتبہ صرف اور صرف مصر کی جیل کا تذکرہ ہوا ہے۔ اور جب بھی ہوا ہے کھلے ہوئے ظلم کی علامت کے طور پر ہوا ہے۔ یہ درست ہے کہ جیل کے اندر میں اور میرے ساتھی ہولناک ترین اذیتوں سے گزر رہے ہیں۔ یہ بھی صحیح ہے کہ ہماری تصویر مسخ کرنے کی ساری کوششیں کی جا رہی ہیں، یہاں تک کہ میرے بارے میں ان لوگوں نے یہ بھی پھیلا دیا کہ میں ان دس لوگوں میں ہوں جنہیں دنیا ہی میں جہنمی ہونے کا پروانہ مل چکا ہے، (اللہ کی پناہ)۔ پر خدائے ذوالجلال کی قسم، جس سے مجھے اتنی محبت ہے کہ میری زندگی اور زندگی کی ساری امنگیں اس کی محبت سے معمور ہیں، اس وقت میں اپنے پیارے رب کی مدد سے خود کو دنیا کی ساری طاقتوں اور سارے مجرموں سے زیادہ طاقتور پاتا ہوں۔ جب میری پیٹھ پر کوڑے برستے ہیں تو مجھے یہ پڑھتے ہوئے لطف آتا ہے وَلَاتَهِنُوا وَلَا تَحزَنُوا وَ أَنتُمُ الأَعلَونَ اِن كُنتُم مُّومِنِينَ ''اور پست ہمت نہ ہو اور غم نہ کرو، اور اگر تم مومن ہو تو غالب رہو گے''۔ میرے خلاف پھانسی کی سزا کا فیصلہ بھی ہو چکا ہے، سالہا سال سے مجھے تاریک کوٹھری میں رکھا گیا ہے وَمَا نَقَمُوا مِنهُم اِلَّا أَن يُؤمِنُوا بِاللهِ العَزِيزِ الحَمِيدِ۔ ''اور انہوں نے ان پر محض اس وجہ سے ستم ڈھائے کہ وہ خدائے عزیز وحمید پر ایمان لائے'' مگر اس سب کے باوجود میری اپنے مہربان رب سے قربت، علم کے سمندر میں غواصی، خودی کی بلندیوں میں پرواز اور اللہ کی رضا اور جنت کی طرف اڑان میں اضافہ ہی ہوا، امت کو قرآن وسنت کے پرچم تلے جمع کرنے، انسانوں اور دیسوں کو غیر اللہ کی بندگی سے پاک کرنے، صہیونی غاصبوں اور ان کی پشت پناہی کرنے والے سارے

اسلام دشمنوں سے مسجد اقصی، قدس اور فلسطین کو آزاد کرانے کی سمت قدم ہیں کہ بڑھتے ہی جارہے ہیں۔ میرے دل میں گہرا یقین ہے کہ اللہ ہم سے کیا ہوا وعدہ ضرور پورا کرے گا۔فَانْتَقَمنَا مِنَ الَّذِينَ اَجرَمُوا وَ كَانَ حَقًّا عَلَينَا نَصرُ المُؤمِنِينَ۔ ''تو ہم نے ان لوگوں کو سزا دی جنہوں نے جرم کیا، اور اہل ایمان کی نصرت ہم پر لازم ہے''۔

میں اس وقت آپ لوگوں کے نام یہ پیغام لکھ رہا ہوں، جبکہ مجھے صرف چالیس سینٹی میٹر کی جگہ ملی ہوئی ہے، سخت ٹھنڈک سے میرا جسم تھر تھر کانپ رہا ہے، میرے پاس ایسی کوئی چیز نہیں ہے جس سے کچھ بھی گرمی کا احساس مل سکے، تاہم میرے پاس اللہ کی محبت ہے، اور اللہ واسطے کی آپ لوگوں سے محبت ہے، قلب اور روح کی گرمی کے لیے یہ کافی ہے۔

سرزمین ہند کے میرے عزیز ترین اور پروقار علماء کرام، میں تین بار اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس روئے زمین پر غزہ کے میرے بھائیوں کے بعد اگر کسی سرزمین کے لوگوں سے مجھے ملنے کا شدید اشتیاق رہتا ہے تو وہ آپ لوگ ہیں، یہاں کے بزرگ اور نوجوان علماء کی صحبت میں سعادت کا جو احساس ملتا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ میرے پاس اس تعلق خاطر کے بہت سے ثبوت ہیں، میں دو ثبوت پیش کروں گا۔

پہلا ثبوت: آخری دفعہ جب اپنی عزیز فقہ اکیڈمی کے مدراس میں ہونے والے پروگرام میں شرکت کر کے واپس لوٹا تو میرے ایک عزیز نے فون کر کے پوچھا، کیا ڈاکٹر صلاح ہندوستان سے واپس آ گئے ہیں، میری اہلیہ نے جواب دیا، ابھی مسجد نماز کے لیے گئے ہوئے ہیں، تھوڑی دیر بعد ان سے بات ہو سکے گی، ویسے وہ ہندوستان سے واپس آئے نہیں ہیں، ان کا دل ابھی وہیں پر ہے، وہ صرف جسم کے ساتھ آئے ہیں، ان سے ملاقات کے وقت ان کی اس کیفیت کا خیال رکھنا۔

دوسرا ثبوت: سب سے پہلی بار جب اپنی عزیز فقہ اکیڈمی کے پروگرام میں ہندوستان جانا ہوا، تو چالیس گھنٹوں کا سفر کر کے واشنگٹن سے دہلی پہنچا تھا، موسم کی خرابی کی وجہ سے سفر کی طوالت بھی بڑھ گئی تھی، اور تکان بھی۔ لیکن جب میں وہاں پہنچا اور علماء اور نوجوانوں کے ذوق وشوق کو دیکھا، تو ساری تکان دور ہوگئی، اور جب میں اسٹیج پر پہنچا تو میرا جسم میرا دماغ اور میرا دل سب تازہ دم تھے، غرض ایسی بہت سی قیمتی یادیں ہیں، دلی، دار العلوم دیوبند، دار العلوم ندوۃ العلماء سے کیرلا تک جو دل کو بہت لطف دیتی ہیں۔

سرزمین ہند کے میرے پیارے بزرگ اور نوجوان علماء کرام، مجھے اجازت دیں کہ میں ان فکروں

اوران امنگوں میں آپ کو شریک کرسکوں، جنہوں نے مجھے بے چین اور بے تاب کررکھا ہے، ان سب کو سمیٹنا چاہوں تو سارا مدعا اس میں سمٹ آتا ہے، کہ من أنصاری الی اللہ ''کون ہے جو اللہ کی راہ میں میرا دست و بازو بنے'' اور انہیں پھیلاؤں تو تفصیل اس طرح ہے:

پہلی فکر: انفرادی سطح پر ہر ایک عالم کے لیے

ہم چاہتے ہیں کہ ہماری راتیں تہجد اور ہمارے دن حصول علم کی جدوجہد سے آباد رہیں، ذکر وشکر، گریہ وزاری، دعا واستغفار، اور خوف ورجا کی کیفیت سے ہمارے شب وروز رنگین رہیں إِنَّ الَّذِيْنَ أُوتُوا الْعِلْمَ مِن قَبْلِهِ إِذَا يُتْلَى عَلَيْهِمْ يَخِرُّونَ لِلأَذْقَانِ سُجَّداً۔ وَيَقُولُونَ سُبْحَانَ رَبِّنَا إِن كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُولاً۔وَيَخِرُّونَ لِلأَذْقَانِ يَبْكُونَ وَيَزِيدُهُمْ خُشُوعا۔ ''وہ لوگ جنہیں اس کے پہلے سے علم ملا ہوا ہے جب یہ ان کو سنایا جاتا ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پاک ہے ہمارا پروردگار، بے شک ہمارے پروردگار کا وعدہ شدنی تھا۔ اور وہ ٹھوڑیوں کے بل روتے ہوئے گرتے ہیں اور یہ ان کے خشوع میں اضافہ کرتا ہے''۔

ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے پاس اللہ سے لو لگانے والا دل ہو، اللہ کا ذکر کرنے والی زبان ہو، جدت وتخلیقیت والا دماغ ہو، ہمارے اخلاق محسنین والے ہوں ، ہمارے جسم مجاہدین والے ہوں، ہماری خاموشی غور وفکر والی ہو، ہمارے پاس دیدہ عبرت نگاہ ہو، اور ہماری گفتگو ذکر سے عبارت ہو، ہم چاہتے ہیں کہ ہم مقربین کے مقام پر فائز ہونے کے لیے کوشاں رہیں، تاکہ ہماری زندگی ان مسلمانوں کے لیے نمونہ بن جائے جو اصحاب الیمین کے زمرے میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہم ان لوگوں میں شامل ہوجائیں جن کے لیے رب کریم نے یہ الفاظ چنے ہیں: وَقَالَ الَّذِيْنَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَالْإِيْمَان۔ کونوا ربانیین۔ رحمة وعلما، حکما وعلما۔

ہم چاہتے ہیں کہ لوگوں کے پاس جو کچھ ہے اس سے ہم بے نیاز ہوجائیں، اور اس کا حق ادا کرنے کی فکر کریں جو رب دوجہاں نے ہمیں عطا کیا ہے۔ يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِيْنَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِيْنَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ۔ ''اللہ ان لوگوں کے، جو تم میں سے اہل ایمان ہیں اور جن کو علم عطا ہوا ہے، مدارج بلند کرے گا''۔

ہم چاہتے ہیں کہ لوگ ہماری سیرت وشخصیت میں قرآنی اخلاق اور رسول پاک کی سیرت کا پرتو دیکھیں، ہم ان کے لیے قابل تقلید نمونہ بن جائیں۔ وَجَعَلْنَا لَهُ نُوراً يَمْشِيْ بِهِ فِيْ النَّاسِ۔ ''اور ہم نے اسے ایک روشنی بخشی جسے لے کر وہ لوگوں میں چلتا ہے''۔

ہم بے سمت اور بے ہدف مطالعات کے بجائے منظّم سنجیدہ اور با مقصد مطالعہ کو اپنا شعار بنائیں، چھلکوں سے سرسری واقفیت تک محدود رہ جانے کے بجائے جڑوں کا گہرا علم حاصل کریں۔ تا کہ ہم وَالرَّاسِخُونَ فِیُ الْعِلْمِ کا مصداق ہو جائیں۔

ہم اس مقام پر پہنچ جائیں جس کا ذکر اس ارشاد رسول میں ہے کہ مثل ما بعثني الله به من الهدى والعلم كمثل غيث أصاب أرضا فكان منها نقية قبلت الماء فأنبتت الكلأ والعشب الكثير۔" اللہ نے مجھے جس ہدایت اور علم کے ساتھ مبعوث کیا ہے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے زمین پر موسلا دھار بارش ہوئی ہو، اس زمین کا ایک حصہ زرخیز پانی قبول کرلے اور وہاں خوب خوب چارہ اگ جائے" اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو وحی کو قبول کر لیتا ہے، اور دماغ کی جولانیوں کو وحی کی رفعتوں کے ساتھ ہم آہنگ کر دیتا ہے، تو پھر حکمت و معرفت کے درخت نشونما پاتے ہیں، پھول کھلتے ہیں اور پھل آتے ہیں۔ تجدیدی کوششیں ہوں یا تخلیقی کاوشیں ہوں ان کی اصل بنیاد وحی الٰہی کو ہونا چاہیے، جس طرح زندگی کی اساس پانی ہے۔ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ کُلَّ شَیْءٍ حَيٍّ۔

دوسری فکر، خاندان کی سطح پر

ہم بھرپور کوشش کریں کہ ہم میں سے ہر عالم دین اس ارشاد رسالت کا پیکر بن جائے، کہ" تم میں بہترین وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بہترین ہو، اور تم سب سے زیادہ اپنے گھر والوں کے لیے بہترین میں ہوں"۔ ہر لحاظ سے بہترین رویہ اختیار کریں، دل کی محبت ہو، ذہن کی ہم آہنگی ہو، یا جسم کی قربت ہو، ضروری ہے کہ ہم سب سے بہتر رہیں۔ ہم آگے آئیں عورتوں کو انصاف دلانے کے لیے اور انہیں عزت و رفعت والا مقام دلانے کے لیے نہ کہ محض زیادہ طاقت وقوت والا مقام کہ سیکولرزم کے علم بردار اور اقوام متحدہ کے ادارے جس کے داعی اور علم بردار ہیں۔ ہم سب لوگوں سے زیادہ کوشش کریں اس بات کی کہ عورتوں کو ان کے مادی، معنوی اور علمی تقاضوں اور ان کی جسمانی صحت کے لحاظ سے ایک سازگار اور باعزت زندگی گزارنے کا حق حاصل رہے۔ ہم اس دل دہلا دینے والی شرمناک صورت حال کو بدلنے کے لیے آگے آئیں، جس کا اعتراف پندرہ دسمبر ۲۰۰۶ء کو ملک کے وزیر برائے امور اطفال ونسواں نے کیا تھا کہ گزشتہ بیس سالوں کے درمیان ایک کروڑ لڑکیاں اپنے والدین کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتاری جا چکی ہیں۔ ہندوستان کے علماء کو چاہیے کہ وہ سب سے آگے بڑھ کر لڑکی کو پیدائش سے پہلے ہی زندہ درگور کرنے کے ظالمانہ رجحان کے خلاف آہنی دیوار بنیں، وہ جہیز کی غلط رسم کو ختم کرنے کا تہیہ کریں، کیونکہ اس کی کوکھ سے بہت سے خطرناک قسم کے خلاف

شرع امور جنم لیتے ہیں۔ضروری ہے کہ ہم سب سے آگے بڑھ کر آواز بلند کریں کہ عورتوں کو بحیثیت انسان کے سارے حقوق حاصل ہوں، یہ ملحوظ رکھتے ہوئے کہ مرد کا مقام بھی مجروح نہ ہو، مرد بحیثیت قوام شورائیت کے ماحول میں اپنی ہر ذمہ داری ادا کرے، نہ تو کوئی کسی پر بوجھ بنے اور نہ کوئی کسی پر اپنی برتری اور خدائی جتائے۔

تیسری فکر، سماجی سطح پر

ہمارے سماج میں ایک دوسرے سے قربت بڑھے، اور سماج کا شیرازہ مضبوط ہو، اس کے لیے جدوجہد کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔ ہمارے تعلقات اپنے عزیزوں رشتے داروں اور پڑوسیوں کے ساتھ نمونہ کی حد تک مضبوط ہو جائیں۔ غیر مسلموں کے ساتھ ہمارے تعلقات کے لیے یہ ارشاد باری سدا ہمارے سامنے رہے، لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۔ ''اللہ تمہیں ان لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اور انصاف کرنے سے نہیں روکتا جنھوں نے دین کے معاملے میں نہ تم سے جنگ کی اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ہے۔ بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے''۔

یاد رہے کہ کائنات کا نظام تین بنیادوں پر چل رہا ہے، ایک دوسرے کو سہارا دینا، ایک دوسرے کو صلہ دینا اور ایک دوسرے کی حفاظت کرنا۔ زمین کو توانائی کی ضرورت ہوتی ہے، اور سورج یہ ضرورت بلا معاوضہ پوری کرتا ہے، اس میں سبق ہے کہ اسی طرح مالدار لوگ محتاجوں کی کفالت کریں، دوسری طرف پودوں اور انسانوں میں سامان زندگی کا تبادلہ ہوتا ہے، انسان کا جسم ان سے آکسیجن لیتا ہے تو بدلے میں انہیں ڈائی آکسائڈ کاربن دیتا ہے، ہمارے درمیان بھی لین دین کی بنا عدل پر ہونی چاہیے۔

یہ بھی تو سوچیے کبھی تنہائی میں ذرا
دنیا سے ہم نے کیا لیا دنیا کو کیا دیا

پھر ہم یہ بھی دیکھیں کہ اس کائنات میں تمام زندہ اشیاء ضرر رساں چیزوں کو ایک دوسرے سے دور کرنے کا کام بھی کرتی ہیں، تو ہم پر بھی واجب ہوتا ہے کہ ہم ہر ظالم کا ہاتھ پکڑیں، اور ہر سرکش کا راستہ روکیں۔إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۔ ''بے شک اللہ حکم دیتا ہے عدل کا، احسان کا اور قرابت داروں کو دیتے رہنے کا اور روکتا ہے بے حیائی، برائی اور سرکشی سے، وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم یاد دہانی حاصل کرو''۔

تکافل، تبادل اور تدافع۔ ان تینوں بنیادوں کے بنا معاشرے کی عمارت استوار نہیں ہو سکتی ہے۔

چوتھی فکر، وطن اور ریاست کی سطح پر

لازم ہے کہ ملک کی تعمیر میں ہمارا رول سیکولر دھاراؤں اور پارٹیوں سے بھی زیادہ نمایاں ہو، وہ وطن دوستی اور اس کے تقاضوں کی تجارت کرتے ہیں، اور انہیں بازار سیاست میں نیلام کرتے ہیں، ہم اپنی جدوجہد اور اپنی اپروچ سے ایک زندہ ثبوت پیش کریں کہ ہم دین اسلام کے بھی وفادار ہیں، اور جس وطن میں ہم جیتے ہیں، اس کے بھی سب لوگوں سے زیادہ وفادار ہیں، ہم پوری قوت کے ساتھ پنچایت سے لے کر پارلیمانی انتخابات تک اور سرکاری عہدوں اور مناصب کے ہر مقابلے میں پوری قوت اور سنجیدگی کے ساتھ شریک ہوں، اور اس پوری جدوجہد میں ہمارے پیش نظر مسلمانوں سے پہلے ملک کے تمام لوگوں کا فائدہ رہے۔ ہم پانچ اصولوں کو مضبوطی سے تھام لیں اور انہیں اپنا شعار بنالیں: عبادت صرف اللہ کی، خبر گیری سارے انسانوں کی، تعمیر پوری زمین کی، قانون کی بھر پور پابندی اور حکومت کے ساتھ پورا تعاون (ان تمام امور میں جو کتاب وسنت کے خلاف نہ ہوں)۔ علماء کی ذمہ داری ہے کہ فکروشعور اور دعوت وتحریک میں پوری امت کے آگے آگے چلیں، تاکہ امت کی راہ روشن رہے، اسے اکثریتی دھارے میں ضم ہوجانے سے بچایا جاسکے، اور شہادت حق کی عظیم ذمہ داری ادا کرنے کی طرف اسے آگے بڑھایا جائے۔

میں اسے اشد ضروری سمجھتا ہوں کہ مسلمان ایک ٹھوس منصوبہ بنائیں جس کے مطابق جلد وہ دن آئے جب ہندوستانی مسلمانوں میں ناخواندگی کے بالکلیہ ختم ہوجانے کا جشن منایا جائے۔ یہ وہ نشانہ ہے جسے حاصل کرنے کے لیے بہت بہت محنت کی ضرورت ہے، اس کے لیے کمر بستہ ہوکر اٹھ کھڑے ہوں، جب تک تکلیفوں اور مشقتوں سے گزر نہیں ہوگا، علم نہیں آئے گا، اور جب تک علم کی قوت ودولت حاصل نہیں ہوگی دنیا کی امامت نہیں ملے گی، یہ اللہ کا قانون ہے۔ یہ بھی ذہن میں رہے کہ اکیسویں صدی میں اَن پڑھ ہونے کا مطلب صرف یہ نہیں ہوتا کہ آدمی لکھنا پڑھنا نہیں جانتا ہے، بلکہ کمپیوٹر سے ناواقفیت بھی ناخواندگی شمار ہوتی ہے، کمپیوٹر اس دور کی زبان ہے۔ مکمل طور سے ناخواندگی مٹانے کی اس مہم کو ہماری ترجیحات میں سب سے اول مقام ملنا چاہیے، ہماری اپروچ یہ ہو کہ اللہ نے جس بات سے پہل کی ہے، ہم بھی اسی سے پہل کریں گے، اللہ پاک نے پوری وحی کا آغاز اس سے کیا ہے، اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ ۔ خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ۔ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۔الَّذِىْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ۔عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ۔ اس حقیقت کو حضرت ابن عباس نے یوں بیان کیا کہ اللہ نے علم کو عمل سے پہلے رکھا ہے، امام بخاری نے اسی حقیقت کو ایک باب کا عنوان بنایا ہے۔

پانچویں فکر، امت مسلمہ اور پوری دنیا کی سطح پر

ہم قرآن وسنت کی صراحت کے مطابق ایک امت ہیں، وکونوا عباد الله اخوانا ''اوراللہ کے بندے بن کر بھائی بھائی بن جاؤ''۔اسے یقینی بنانا ضروری ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کا رشتہ پوری دنیا میں پھیلی ہوئی اسلامی امت سے قائم اور مضبوط رہے، اسلام کی حیثیت مسلمانوں کے درمیان ایک رشتے کی ہے، جس سے سارے مسلمان ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ ہم بچپن سے یہ اشعار دوہراتے رہے ہیں:

یا أخي في الهند أو في المغرب أنــا مــنك أنــت مــني أنــت بي

لا تسل عن عنصري عن نسبي انـــــه الاســـلام أمـــي وأبـــي

''میرے بھائی، تم ہندوستان کے ہو یا مراکش کے، میں تم سے ہوں
اور تم مجھ سے ہو۔ میری نسل اور میرے نسب کے بارے میں مت
پوچھو، میں اسلام کا بیٹا ہوں، وہ میری ماں اور میرا باپ ہے''

اچھی طرح سمجھ لیں، کہ امت کے مسائل کا اصل محور جس کے گرد سارے مسائل گھوم رہے ہیں، وہ مسجد اقصی، قدس اور فلسطین کا ایشو ہے، اس ایشو پر جھوٹ کی دھول تہہ در تہہ بٹھائی جارہی ہے، تا کہ حقیقت پروپیگنڈے کے شور میں گم ہوجائے، اس دھول کو ہٹانے کے لیے سوچا سمجھا علمی رویہ اور اپروچ اختیار کرنا لازم ہے، امت کی قوت ادراک سن ہوگئی ہے، اسے بیدار کرنا ضروری ہے، دل کے اندر ایمانی بنیادوں کو تازہ کرتے رہنا بھی ضروری ہے کیونکہ اللہ کی مدد صرف اہل ایمان کے لیے آتی ہے، ہمدردوں اور مددگاروں کو اکٹھا کرنا اور ان کی تعداد بڑھانا بھی مطلوب ہے، هــو الــذي أيــدك بــنــصــره وبــالــمـؤمنين۔ ''وہی ہے جس نے اپنی نصرت سے اور مومنین کے ذریعے سے تمہاری مدد کی'' میڈیا کی طرف بھی بھرپور توجہ دی جائے، تا کہ ہم ہر اس مسلمان بلکہ ہر اس انسان تک پہنچ جائیں جو حق اور انصاف کی خاطر اٹھنے کے لیے آمادہ ہو، ارض مقدس کی بازیابی کے لیے، جہاں سے ساٹھ لاکھ فلسطینی باشندوں کو ملک بدر کردیا گیا، مسجد اقصی کی حفاظت کے لیے جو قبلہ اول اور حرم ثالث ہے، اس مقصد کے لیے سیاسی محاذوں پر بھی اپنی موجودگی کو بڑھایا جائے، تا کہ اس قضیہ کو بین الاقوامی سطح کے ہر فورم میں اٹھایا جاسکے۔ اس سب کے ساتھ جہاد وشہادت کے مقامات بلند پر پہنچنے کے لیے بھی خود کو تیار رکھیں، کیونکہ بیت المقدس کی آزادی کا ایک ہی راستہ ہے، وہی راستہ جسے صلاح الدین ایوبی، سیف الدین قطز اور سلطان العلماء العز بن عبدالسلام نے اختیار کیا تھا۔ میں آپ سے خدا واسطے التجا کرتا ہوں کہ مسجد

اقصی اوراس کی آزادی کا ایشو ہر تقریر ہر کانفرنس ہر گفتگو اور ہر محاضرے میں شامل رکھیں۔ ہر مجلّہ، ہر اخبار اور ہر چینل پہ اس پر چرچا ہو، تاکہ مسجد اقصی کی آزادی کے متوالوں سے اور ان کی گونج سے ساری دنیا بھر جائے، اس کام کے لیے آگے بڑھنا ایک عظیم شرف ہے، جس کے لیے اللہ اپنے خاص بندوں کا انتخاب فرماتا ہے، پس ہندوستان کے عوام اور ہندوستان کے علماء سب آگے بڑھیں اور بیت المقدس کے بچوں اور عورتوں کی پکار، غزہ اور رام اللہ کے مردوں کی ندا اور قید میں اسیر مسجد اقصی کی صدا پر سب سے آگے بڑھ کر لبیک کہیں۔

چھٹی فکر، علمی اکیڈمیوں اور تحقیقی اداروں کی سطح پر

میری تمنا ہے کہ ہندوستان میں اسلامی فقہ اکیڈمی اور اس جیسے دیگر علمی اور تحقیقی ادارے درج ذیل محاذوں پر خاص توجہ دیں:

نمبر ایک: اسکولوں کے بچوں سے لے کر کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلبہ وطالبات تک ہر جگہ اعلی صلاحیت کے دماغوں کو تیار کیا جائے کہ وہ ان اداروں کی صورت میں ان ربانی اور نورانی سلسلوں کے سچے امین بنیں، جن کے آغاز کی توفیق اللہ نے ان کے خوش نصیب بانیوں کو عطا کی۔ شاعر کی زبان میں:

اذا سيد منا خلا قام سيد

قؤول لما قال الكرام فعول

''ہمارے درمیان سے ایک سردار کی جگہ خالی ہوتی ہے، تو دوسرا سردار آجاتا ہے، عظیم لوگوں جیسی باتیں اور ان کے جیسے کارنامے انجام دینے والا''

آنے والی نئی نسلیں اپنی بزرگ نسلوں کے علم وفضل سے اچھی طرح فیض یاب ہوں، شرعی نصوص کا فہم، زمانے اور حالات سے آگاہی، شرعی نصوص سے اپنے حالات میں رہنمائی لینے والا شعور وتفقہ، خاص احکام کے خاص دلائل اور شریعت کے عام مقاصد واہداف کے درمیان ہم آہنگی کی جستجو، حال کو دیکھنے اور مستقبل کو بھانپ لینے کی صلاحیت، ترجیحات کا شعور اور نفس انسانی سے واقفیت، اور پھر جدید ترین اور تیز ترین وسائل سے آگاہی کہ جن کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پیغام کی رسائی ہوسکے۔ كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّهِ۔ ''تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے سامنے تیار کی گئی ہے، معروف کا حکم دیتے ہو منکر سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو''۔

نمبر دو: اسلامی فقہ، اس کے اصول، اس کے قواعد اور اس کے مقاصد کو ان کے اصل مقام یعنی

ایمان واخلاق کی آغوش میں لوٹاتا ہے، ایسا لگے کہ گویا یہ سب چھوٹی بڑی کشتیاں ہیں جواللہ کی محبت، اس کی خشیت، اس کے احکام کی تعظیم، اوراس کے مقام کی تقدیس کی ندیوں دریاؤں اورسمندروں پر رواں دواں ہیں۔ مکمل جائزہ لینے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ پورے دین میں کوئی ایک بھی فقہی حکم ایسا نہیں ہے جوایمان کی گرمی اوراعلی اخلاق کی خوشبو سے خالی رکھا گیا ہو۔ کسی چیز میں اختصاص کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسے باقی سب سے کاٹ کر بالکل الگ تھلگ کردیا جائے، ایک طبیب کسی عضو کا علاج اسے جسم سے بالکل الگ کرکے نہیں کرتا ہے، بلکہ وہ عضو اپنی ساری رگوں کے ساتھ جسم سے جڑا رہتا ہے، بالکل اسی طرح فقہ کا ایمان واخلاق سے رابطہ اور اتصال پوری طرح برقرار رہنا چاہیے۔ اور اسی بنا پر فقہ کے اصول، اس کے قواعد اوراس کے مقاصد کے میدان میں بھی وسعت لانا ضروری ہوجاتا ہے، تاکہ اس علم کے تحت صرف فقہی احکام والی نصوص ہی نہ رہیں بلکہ دین وشریعت کی ساری نصوص اس میں شامل ہوجائیں۔ اصول فقہ کے مناہج ہی ان شدید ضربوں سے امت کی حفاظت کرسکتے ہیں، جنہوں نے امت کوٹکڑوں میں بانٹ رکھا ہے، اورہمیں ایسا بنادیا ہے کہ ہمارا سارا زورآپس ہی میں ایک دوسرے پر چلتا ہے۔ میں نے جیل کی زندگی میں ہی اس سلسلے میں کچھ علمی کام کرلیے ہیں، میری ایک تازہ کتاب ہے سورہ یوسف کی اصولی اور مقاصدی تفسیر، اور دوسری کتاب ہے حضرت کعب کی حدیث کی اصولی اور مقاصدی تشریح۔

نمبر تین: ضروری ہے کہ فقہ وفکر، اصول ومقاصد اورتحریک ودعوت کے تمام مکاتب ومشارب کے درمیان علمی رابطے کومضبوط کیا جائے، لِّيَتَفَقَّهُواْ فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُواْ قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُواْ إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ''تاکہ دین میں بصیرت حاصل کرتے اوراپنی قوم کے لوگوں کوخبردار کرتے، جبکہ وہ ان کی طرف لوٹتے کہ وہ بھی احتیاط کرنے والے بنتے'' کے مقاصد میں یہ بھی شامل ہے، ہمارے علمی اورتحقیقی ادارے اس بات کے داعی بن جائیں کہ معرفت کے دائرے کووسیع کیا جائے، اتنا کہ فقہ وفکر کے تمام مسالک اورتحریکی ودعوتی حلقوں سے وابستہ تمام بڑے علماء کی اجتہادی کوششوں کی صحیح قدر ہوسکے۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، شیخ ندوی اور شیخ قاسمی کے علمی کارناموں کے ساتھ ساتھ اہل علم وتحقیق کے سامنے علامہ شاطبی، شیخ طاہر بن عاشور، شیخ قرضاوی، شیخ غزالی، شیخ علوانی، شیخ ریسونی، شیخ شنقیطی، شیخ بن باز اور شیخ زرقا کی کوششیں بھی رہیں، اور شیخ افغانی، شیخ محمد عبدہ، شیخ حسن البنا، شیخ سید قطب، شیخ مالک بن نبی، اور شیخ مودودی کی کاوشیں بھی رہیں۔ غرض ہرمکتب فکر اور ہرفکری جہت کے اہل علم کی علمی تحقیقات سے ہم بھرپور طرح سے فیض حاصل کریں۔ اس وقت اسلام کے خلاف شدید قسم کی معرکہ آرائی کے لیے مشرق

ومغرب کے سارے طائفے یک جٹ ہوگئے ہیں، ایسے میں اور زیادہ ضروری ہوجاتا ہے کہ ہماری ایک وحدت ہو، اور ہم فکری اورتحریکی ہر دو سطح پر ایک دوسرے سے قریب سے قریب تر ہوجائیں، یہ ایک شرعی فریضہ تو ہے ہی، حالات کا ضروری تقاضا بھی ہوگیا ہے، اس سلسلے میں اللہ کے سامنے سب سے پہلے ان ارباب قیادت کو جواب دینا ہوگا جن کے ہاتھوں میں امت اسلامیہ کی علمی فکری اور تحریکی باگ ڈور ہے۔ وَلَا تَنَازَعُواْ فَتَفْشَلُواْ وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُواْ إِنَّ اللّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ۔ ''اور آپس میں تفرقہ نہ کرو، کہ تم ناکام ہوجاؤ اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے اور ثابت قدم رہو۔ بے شک اللہ ثابت قدموں کے ساتھ ہے''۔

میرے بہت عزیز اور بہت عظیم علماء کرام، میں معافی چاہوں گا اگر بات طویل ہوگئی ہو، واقعہ یہ ہے کہ جب شوق کے جذبات امنڈ کر آتے ہیں، تو ہزاروں صفحات کم پڑ جاتے ہیں، اور تکلیفیں جتنی بڑھتی ہیں امیدیں بھی اتنی ہی کروٹیں لیتی ہیں۔

جتنی جتنی ستم یار سے کھاتا ہے شکست
دل جواں اور جواں اور جواں ہوتا ہے

میرے اور آپ کے درمیان کئی طویل برسوں سے دوریاں حائل ہیں، لیکن مجھے قوی امید ہے کہ جلد ہی اللہ کے حکم سے ظلم کی زنجیریں ٹوٹیں گی اور زنداں کے دروازے کھلیں گے۔ مجھے یہ بھی امید ہے کہ کسی قریبی سیمینار یا مجلس میں ہماری ملاقات ہوگی، اس وقت میری گفتگو کا ایجنڈا وہ دو موضوعات ہوں گے جو مجھے دن رات مشغول اور بے چین رکھتے ہیں۔

اول: اصول اور مقاصد کے علم کی تجدید، اور اس کے لیے پہلے تطبیقی کاوشیں اور آخر میں نظریہ سازی کے ذریعہ اس علم کی تکمیل۔

دوم: فلسطین، القدس، مسجد اقصی اور سارے قیدیوں کی رہائی، ان مردان کار کے ذریعہ جن کے بارے میں کہا گیا ہے: رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ۔" وہ مرد جنھوں نے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کر دکھایا''، شاعر کے الفاظ میں:

قالوا نزال فكنت أول نازل
وعلام أركبه اذا لم أنزل

''انہوں نے پکارا، اترو میدان میں، تو سب سے پہلے اترنے والا میں تھا، اور اگر میدان میں اترنے کا جذبہ نہیں ہوتا تو گھوڑے پر سوار ہی کیوں ہوتا''

اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ سب کو اپنی امان میں رکھے،اس کی امان میں کوئی چیز ضائع نہیں ہوتی، اور آپ سے التماس کرتا ہوں کہ زمین وآسمان کے رب کے حضور بہترین دعائیں اور پاکیزہ تمنائیں کرتے رہیں، کہ وہ تنگی کے بعد آسانی پیدا کرے، قید وبند کا خاتمہ ہو اور خوشیوں کا دور چلے، امت پر سے کمزوری اور محکومی کا موسم خزاں رخصت ہو اور شوکت واقتدار کی بہاریں لوٹ آئیں، غاصبوں کے تسلط کی سیاہ رات ہر جگہ سے ختم ہو،اور عزت وسر بلندی کی صبح طلوع ہو۔۔اور ہم سب اللہ کے وعدے کے سزاوار ہو جائیں۔وَعَدَ اللَّهُ الَّذِيْنَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُم فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِيْ ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْناً يَعْبُدُونَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئاً۔ ''اللہ کا وعدہ ہے تم لوگوں سے، جو ایمان لائے اور جنھوں نے عمل صالح کیے، کہ ان کو ملک میں اقتدار بخشے گا، جیسا کہ ان لوگوں کو اقتدار بخشا جو ان سے پہلے گزرے، اوران کے لیے ان کے اس دین کو متمکن کردے گا جس کو ان کے لیے پسند کیا''۔

وَيَقُولُونَ مَتَى هُوَ قُلْ عَسَى أَن يَكُونَ قَرِيْبا۔ ''اور وہ کہتے ہیں کہ یہ کب ہوگا؟ کہہ دو کہ عجب نہیں کہ اس کا وقت قریب ہی آپہنچا ہو''۔

والسلام

آپ سب سے اللہ کی خاطر محبت کرنے والا

صلاح الدین سلطان

(یہ پیغام اسلامی فقہ اکیڈمی کے حالیہ چھبیسویں سیمینار کے لیے ۲۰ر فروری ۲۰۱۷ء کو لکھا گیا،اس خط میں فقہ اکیڈمی کے سلسلے میں نیک جذبات،اعلی خواہشات اور مفید مشورے بھی شامل تھے، جنہیں طوالت سے بچنے اور پیغام کی عمومیت برقرار رکھنے کی خاطر حذف کردیا گیا ہے۔مترجم)

ترانۂ فلاح: تلاش و تعبیر (۳)

ڈاکٹر امتیاز وحید، شعبۂ اردو، کروڑی مَل کالج، یونیورسٹی آف دہلی
Mobile0**981169916**/email:ijnuwaheed@gmail.com

ترانۂ فلاح کی تلاش میں جب میں نے ۱۹۸۷ء کے فارغ جناب سرفراز بزمؔی فلاحی سے بات کی تو دوسرے ہی دن واٹس اَپ پر ان کی مشہور و معروف الوداعیہ نظم کے ساتھ ایک ترانہ بھی برآمد ہوا، لہٰذا پہلے ترانہ حاضر ہے۔

شمعوں میں جلاکر اپنا لہو دنیا میں اجالا کردیں گے
تاریک شبوں کے رکھوالو، ظلمت تہہ و بالا کردیں گے

جو طاق حرم میں روشن ہے اس شمع کے ہم پروانے ہیں
محبوبِ خدا ہے جن کا لقب، اس ذات کے ہم دیوانے ہیں
ہے جہل و جفا کو ہم سے ڈر لرزاں ترساں بت خانے ہیں
ہم دینِ نبی سے دنیا میں ہر پست کو بالا کردیں گے

شمعوں میں جلاکر اپنا لہو دنیا میں اجالا کردیں گے
تاریک شبوں کے رکھوالو، ظلمت تہہ و بالا کردیں گے

معلوم ہے دنیا اپنے لیے راہوں میں خار بچھائے گی
برسیں گے فلک سے ایٹم بم یا دار سجائی جائے گی
گونجیں گے نقارے جنگوں کے پھر بدر کی نوبت آئے گی
ہم اپنے لہو سے دنیا میں ہر سمت اجالا کردیں گے

شمعوں میں جلاکر اپنا لہو دنیا میں اجالا کردیں گے
تاریک شبوں کے رکھوالو، ظلمت تہہ و بالا کردیں گے

مہمیز حصولِ علم ہمیں ہر موجِ بادِ بہاری سے
ہم علم کی کلیاں چنتے ہیں اس گلشن کی ہر کیاری سے

عاشق ہیں سنہری کرنوں کے، ہے بیر ہمیں اندھیاری سے
ان ظلم کی کالی راتوں کو ہم نور کا ہالا کردیں گے
شمعوں میں جلاکر اپنا لہو دنیا میں اجالا کردیں گے
تاریک شبوں کے رکھوالو، ظلمت تہہ و بالا کردیں گے
مغرب کے افق پر آندھی ہے مشرق کی ہوا نمدیدہ ہے
ہر سمت لہو کی بارش ہے ہر سمت فضا رنجیدہ ہے
ملت کا مقدر شاہینو، ان بانہوں میں خوابیدہ ہے
ہم شانِ حجازی پرچم کی دنیا میں دوبالا کردیں گے
شمعوں میں جلاکر اپنا لہو دنیا میں اجالا کردیں گے
تاریک شبوں کے رکھوالو، ظلمت تہہ و بالا کردیں گے
اس زاغ و زغن کی دنیا میں اللہ ہمیں شہباز رکھے
آلودہ فضاؤں کی حد سے اونچی اپنی پرواز رکھے
وہ اپنے کرم سے دنیا میں بزمؔی کو سرفراز رکھے
ہم نورِ نبی سے روشن تر ہر ابر و شوالہ کردیں گے
شمعوں میں جلاکر اپنا لہو دنیا میں اجالا کردیں گے
تاریک شبوں کے رکھوالو، ظلمت تہہ و بالا کردیں گے

بزمؔی صاحب کے منظوم ترانے کا تولد بلا شبہہ روایت پسندی کی کوکھ سے ہوا ہے تاہم اس میں حوصلہ، عزم اور صالح جذبے کی حرارت ہے۔ ایک نوع کا کمٹمنٹ ہے جو مغرب کی آزار پسند طبیعت کا سامنا کرنے اور باطل کے سامنے سپر نہ ڈالنے پر مصر ہے۔ حق پسندوں کے لیے یہ مرحلہ کتنا آسان اور مشکل ہے، ترانے میں اس کے منطقی انجام سے بھی چشم پوشی نہیں کی گئی ہے؛ جذبات کے چشمے عقلیت، ارضیت اور حقیقت پسندی کی زمین پر ابلتے ہیں اور یہی توازن اس ترانے کا حسن ہے۔ غور سے دیکھا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ بزمؔی موصوف فکری اعتبار سے شرق وغرب کے خیر وشر اور ان کے تمدن کا واضح شعور رکھتے ہیں۔ دین کی برکت وفضیلت اور فکر اسلامی کی تعلیم کے تئیں ان کے ایقان کا سرچشمہ غالباً ان کا یہی متوازن ذہنی رویہ ہے۔

ترانے کا آخری بند دعائیہ جذبات پر مبنی اس کے خالق کی استدعا کا نقیب ہے۔ یہاں پہنچ کر شاعر کی نیک تمناؤں میں شامل ہو کر آمین اور ثم آمین کہنے کو جی چاہتا ہے۔

فلاح سے فارغ ہونے والے سالِ آخر کے طلبہ میں منظوم الوداعیہ خلق کرنے اور انھیں اپنی وداعی تقریبوں میں پیش کرنے کی ایک صحت مند روایت ہے۔ جناب سرفراز بزمی فلاحی نے مادرِ علمی کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے ایک الوداعی نظم خلق کی تو وہ ادبی حلقوں میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھی گئی۔ تاہم وقت نے کسے بخشا ہے! ذرا کریدا تو جذبات چھلک پڑے اور بتایا کہ نظم جس قدر و منزلت کی حامل تھی، اسے اتنی توقیر نہیں ملی۔ نظم بدیہی اعتبار سے گرچہ الوداعیہ تھی تاہم اس کا مزاج جداگانہ تھا۔ اس کے بیشتر مشمولات اور مندرجات پر ترانے کا اطلاق ہوتا ہے لہٰذا موصوف نے اسی نظم سے 'الوداع' الفاظ ہٹائے، پہلا شعر اور آخری چار اشعار حذف کیے، دوسرے شعر میں معمولی تصرف کے سہارے اسے مطلع بنایا اور کمال فنکاری سے اسے کلیتاً ترانے کے پیکر میں ڈھال دیا۔ یہ ارسال کرتے ہوئے موصوف نے لکھا کہ ''آج مدت بعد آپ نے اقبال کا یہ شعر گنگنانے پر مجبور کر دیا کہ ؎

ہاں دکھا دے اے تصور پھر وہ صبح و شام تو
دوڑ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تو

اس ناسٹلجیائی کیفیت کے بعد برادرم بزمی فلاحی کا یہ ترانہ ملاحظہ کریں۔

تجھ میں فردا دیکھتی ہے چشمِ بینا اے فلاح
اے مرے ہندوستاں کے طورِ سینا اے فلاح

قافلہ جب صبح دم تاروں کا ہوتا ہے رواں — تیرے میناروں کو جھک کر چومتی ہے کہکشاں
چشمۂ آبِ سکندر گود سے تیری رواں — آسمانِ علم کے خورشید تیرے پاسباں
برقِ ایمن کے شرارے ہیں رُخِ خاموش میں — تخمِ سینائی نکلتا ہے تری آغوش میں
جام گو ''الفقر فخری'' سے تیرا لبریز ہے — پھر بھی تیری سادگی میں حسنِ عشق انگیز ہے
بدرِ کامل کی طرح ضوبار ہے خاموش ہے — یعنی ٹھنڈی بجلیوں سے پُر تری آغوش ہے
کم نظر سمجھے ہیں جوئے علم کا قطرہ ہے تو — میری نظروں میں مگر سمٹا ہوا دریا ہے تو

☆☆☆

مشرقی یوپی کہاں اور راجپوتانہ کہاں — مرحبا اے شمع ڈھونڈا تو نے پروانہ کہاں
خوش مزہ لگتی تھی اپنی نانِ صحرائی مجھے — لذّتِ جامِ شرابِ علم لے آئی مجھے
بُوئے گُل گر پرتوِ خورشید کی ممنون ہے — پھر یقیناً میری خوشبو بھی تیری مرہون ہے
جب یہاں سے وادیِ ایمن کی بُو آئی مجھے — جنبشِ موجِ نسیمِ شوق لے آئی مجھے

سرفرازِ خوش نوا اب مائلِ پرواز ہے　　　تیری گودی میں یہ اس کی آخری آواز ہے
گردشِ دوراں مٹائے گی نہ اس تحریر کو　　　طاقِ دل میں رکھ لیا میں نے تیری تصویر کو

☆☆☆

جامعہ تو خوابِ مودودی کی اک تعبیر ہے　　　آنے والے ہند کی تو موہنی تصویر ہے
تو ہے ساقی جام میں تیرے مئے شبیرؓ ہے　　　تیرے ہاتھوں امّتِ مرحوم کی تقدیر ہے
میرے خلوت خانۂ دل کے مکینوں کی قسم　　　اور چمن زارِ محبت کے امینوں کی قسم
مسلمینِ قرنِ اولیٰ کے یقینوں کی قسم　　　آسمانِ علم کے سِدرہ نشینوں کی قسم
عصرِ حاضر ''لا'' کا طوفاں کشتیِ الّا ہے تو　　　عصرِ نو کی ظلمتوں میں اک یدِ بیضا ہے تو
رات ہے گر عہدِ حاضر نالۂ شب گیر تو　　　اس اندھیری رات میں امّیدِ رہ گیر تو

وقت یا جوجی ہے اور اک سدِّ ذوالقرنین تو
علم دین و دنیوی کا مجمع البحرین تو

بزمؔی صاحب کے ترانے کا بنیادی ایجنڈا 'روحِ فلاح' کی نمایندگی ہے۔ اس میں رومان اور اسلامی ایتھوز کے امتزاج سے بنی خیر کی دھندلی دھندلی پرچھائیاں ہیں۔ اس کا مطلع بطورِ خاص ہند میں درسِ نظامی کے حامل مدارس کی دن بہ دن گرتی ساکھ اور ان کی عدمِ مؤثریت سے پیدا ہونے والے مایوس کن نتائج کے بعد فلاح جیسے دینی اور عصری علوم کے حامل ادارے کی ناگزیریت اور ان سے وابستہ امیدیں ہیں، جو چشمِ بینا کو آنے والے کل سے خیر کی توقع باندھنے کا حوصلہ دیتی ہیں۔ اس سیاق میں فلاح اپنے تشکیلی مقاصد کے ساتھ شاعرانہ اظہار کی سطح پر اگر ہند میں 'طورِ سینا' قرار پائے تو عجب نہیں۔ اس سے ایک طرف ادارے کے ذمہ دارانہ کردار کی عقدہ کشائی ہوتی ہے تو دوسری جانب فلاح کے تئیں بزمؔی موصوف کے اس احساس سے روشناسی بھی، جسے انھوں نے فلاح میں رہ کر عملی طور پر حاصل کیا ہے۔

چھ اشعار پر مشتمل پہلے بند کے ہر ایک شعر میں بھرپور تغزل موجود ہے؛ اس میں اک نوع کا شاعرانہ بہاؤ اور وارفتگی کی کیفیت ہے، جس میں مچلتے ہوئے جذبات شفاف پانی میں نظر آنے والے عکسِ چہرہ کی طرح صاف نظر آتے ہیں۔ شاعر نے یہاں اپنے لطیف مذاقِ شعری سے کام لے کر حسن اور محسوسات کی ایک انجمن سجائی ہے۔ یہ انجمن نظامِ فلاح میں شاعر کے کامل ایقان کا نقیب ہے۔ غالبًا بزمؔی صاحب کی شاعرانہ قوتِ اظہار کا ماٴخذ بھی ان کا یہی جذبہ ہے۔

کہکشاں کا مینارِ فلاح کی عظمت کو بوسہ دینا، فلاح کے رخِ خاموش میں برقِ ایمن کے شراروں

اور ٹھنڈی بجلیوں کی کارفرمائی، اس کی سادگی میں تہہ نشیں 'الفقر فخری' کا فکری تفاخر، اس کی گود سے چشمۂ آبِ سکندر کی روانی اور آغوشِ فلاح میں تخمِ سینائی کی موجودگی جیسے لطیف اشارے اور کنایے میں ملفوف شاعر کے منشا کی بھرپور ترجمانی ہوتی ہے اور انہی وساطت سے وہ اپنی شعری ہنرمندی، فنکارانہ چابکدستی اور مذاقِ شعری کے ساتھ فنکارانہ توانائی کا اعلان کرتے بھی نظر آتے ہیں۔ یہ کہنا شاید بے جا نہ ہوگا کہ اسلامی تہذیبی انسلاکات کے متحمل الفاظ، مصطلحات اور شعری تراکیب کی بُنت میں بزمؔی سلامت روی کے ساتھ گزرنے کا ہنر رکھتے ہیں اور نئی لفظیات کو خلق کرنے اور برتنے کا حوصلہ بھی۔

دوسرے بند میں بزمؔی صاحب نے فلاح سے اپنے رشتۂ انسلاک کی داستان چھیڑی ہے۔ اپنے آبائی وطن راجستھان کی رعایت سے انھوں نے راجپوتانہ اور نانِ صحرائی کی بات کی ہے اور پھر حصولِ علم کی جستجو میں وہاں سے دور مشرقی یوپی کے ایک قصبہ بلریا گنج میں واقع جامعۃ الفلاح میں ان کی آمد اور فراغت کے بعد مادرِ علمی سے ان کی جدائی کا ماجرا بیان ہوا ہے۔ ۱۹۸۷ میں فراغت کے آخری ایام میں جب ان کی یہ تخلیق سامنے آئی تو اس کی بڑی پذیرائی ہوئی بطورِ خاص اس شعر پر ؎

مشرقی یوپی کہاں اور راجپوتانہ کہاں
مرحبا اے شمع ڈھونڈا تو نے پروانہ کہاں

اہلِ نظر نے انھیں بہت سراہا۔ ان کا یہ احساس کہ ع

گردشِ دوراں مٹائے گی نہ اس تحریر کو

آج چوبیس سال بعد بھی زندہ ہے؛ قوی امید ہے کہ میری طرح پھر کوئی آشفتہ سر زمانے کے سامنے بزمؔی موصوف کے اس منظوم عطر بیز جہانِ محسوسات کے اندرون میں اترے گا اور فلاح کے پاک طینت مقاصد کو سامنے رکھتے ہوئے اس کی کچھ اور بہتر تعبیر پیش کرے گا۔ اللہ کرے شاعر کا احساس نقشِ کالحجر ثابت ہو اور اس کی لیکیسی پر تازگی سایہ فگن رہے۔

ترانے کا آخری بند فلاح کی حرکی زندگی میں فکرِ مودودی کی بازگشت پر مبنی ہے۔ پہلے اور دوسرے بند سے اس کے مزاج میں اک نوع کی گریز پائی ہے۔ شاعر نے یہاں تخاطب کا انداز اپنایا ہے اور 'تیسری آواز' کی شاعرانہ تکنیک کا استعمال کرتے ہوئے قابلِ اعتبار دینی حوالوں کی قسمیں کھائی ہیں۔ اس مؤثر حربے سے شاعر کی نیک تمنائیں قوتِ گویائی کے حسن سے مملو ہوگئی ہیں اور محسوسات نے شعری پیکریت کا لبادہ اوڑھ لیا ہے۔ نظامِ فلاح میں فنکار کا غیر متزلزل یقین کبھی فلاح کے ہاتھوں میں امّتِ مرحوم کی تقدیر سونپنے کی صورت میں ہویدا ہے تو کبھی تشنگانِ علم کے تناظر میں خالص خمریاتی کنایے 'ساقی، جام اور

مئے‘ کا سہارا لے کر عہدِ حاضر ’’لا ‘‘ کے طوفان میں فلاح کی کشتیِ الّا کی معنویت کو دوآتشہ کیا گیا ہے۔ خاص طور پر ’مئے شبیر‘ کی ترکیب سے چھن کر آنے والی سکر کی پاکیزہ کیفیت میں شاعر کی فنکارانہ ہنرمندی دیدنی ہے۔عصرِ حاضر کے الحادی سیاق میں فلاح کے لیے ’یدِ بیضا، نالۂ شب گیر اور امّیدِ رہ گیر‘ جیسی خوبصورت تراکیب کا استعمال شاعر کی فکری بالیدگی اور اس کے بھرپور شعری مذاق کا ثبوت ہیں۔آخری شعر کا پہلا مصرعہ نظامِ فلاح میں پوشیدہ مدافعانہ قوت کا اعلامیہ ہے جبکہ دوسرے مصرعے میں دین و دنیا کی تعلیم پر مبنی اس نظام میں مضمر ثنویت کے حسن کا اظہار ہے اور یہی نکتہ یاجوجی عہد میں اس کی قوت کا سرچشمہ بھی قرار پاتا ہے۔باطل کے مقابلے میں ’سدِّ ذوالقرنین‘ کا استعارہ فنکار کی اسی فکر کا حامل ہے۔

تعلیم و تدریس بزمؔی صاحب کا وظیفۂ حیات ہے۔وہ فی الوقت ضلع سوائی مادھوپور کے قصبہ بہتڑ، راجستھان میں مقیم ہیں اور اسکول کی ملازمت کے ساتھ ایک اسکول بھی چلاتے ہیں۔عالم باعمل ہیں، چہرے بشرے سے مولویانہ شان رکھتے ہیں۔مزاج میں شاعرانہ رچاؤ ہے۔دورانِ تعلیم فلاح میں اقبالیات کا ذوق رکھنے والے جونیئر طلبہ کا مرجع بنے رہے۔اب جبکہ اپنے بچوں کی تعمیر کا مرحلہ آیا تو وہاں بھی ان کی طبیعت کی شگفتگی کام کر رہی ہے۔بڑی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے بتایا کہ ان کے ایک لائق فرزند اے ایم یو ترانہ ٹیم کی قیادت کر رہے ہیں اور شاعری سے بھی شغف رکھتے ہیں۔اس وقت موصوف صوبائی سطح پر ادارہ ادب اسلامی اور جماعت اسلامی کے راجستھان علماء فورم کے صدر ہیں اور جماعت کے حلقہ راجستھان کی شوریٰ کے رکن ہیں۔

بزمؔی صاحب کا عہد فلاح کے فکر و نظر کی برتری کا عہد تھا۔مودودی ہاسٹل میں مقیم سینئرس سے ہم جونیئروں کا ربط و ضبط محض تبرک کی حد تک محدود نہیں تھا بلکہ وہ باضابطہ ہمارے گارجین کی حیثیت رکھتے تھے۔ لامبے، دراز قد اور پختہ عمر والے طلبہ کی تعداد زیادہ تھی۔اب بدلی ہوئی صورتِ حال سے وحشت ہوتی ہے اور جی چاہتا ہے کہ ساقی سے آبِ بقائے دوام لانے کی فرمائش کروں کیونکہ قدروں کے ساتھ اب ہر سطح پر نئی نسل میں کوتاہ قامتی نمایاں ہونے لگی ہے۔بزمؔی صاحب جیسے پرانے بادہ کش تیزی سے اٹھتے جا رہے ہیں یا ان میں اتنی تبدیلی آ گئی ہے کہ پہچاننے میں نہیں آتے؛ حد تو یہ ہے کہ جن اکابرین کی باتوں پر لبیک و سعدیک کہتے ہوئے کبھی ایمان لے آتے تھے، آج ان کی زمانہ شناسی اور مصلحت کوشی کو دیکھ کر سر پیٹتے اور حیران رہ جاتے ہیں۔ایسے میں خیر سے بزمؔی صاحب کا مولویانہ بھرم قائم ہے اور اب تو اپنی فیس بک کی تصویر میں خضاب زدہ گھنی داڑھی کے ساتھ وہ واقعی الباقیات الصالحات نظر آتے ہیں۔

(جاری)

جہاد اور تفقہ فی الدین

محمد اکمل فلاحی، استاذ الجامعہ الاسلامیہ شانتا پورم، کیرلا
ای میل:akmalbishami@gmail.com

زیر نظر مقالے میں قدیم و جدید مفسرین کی آراء کا تنقیدی جائزہ لے کر سورہ توبہ کی آیت ۱۲۲ر کی روشنی میں یہ بات واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ تفقہ فی الدین ان کو حاصل ہوتا ہے جو جہاد فی سبیل اللہ میں شریک ہوں، دین میں گہری بصیرت انھیں ملتی ہے جو عمل و حرکت اور جد و جہد کے میدان میں سرگرم عمل ہوں، دین کا حقیقی فہم ان کو حاصل ہوتا ہے جن کے شب و روز باطل کے برے اثرات مٹانے میں گزر رہے ہوں، دین کا صحیح شعور انہیں نصیب ہوتا ہے جو جاہلیت کے اوپر اسلام کو غالب کرنے کے لیے ہمہ تن مصروف ہوں۔

سب سے پہلے مفسرین کرام کی دو عام رایوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے بعد ان دونوں رایوں سے مختلف ایک تیسری رائے دلائل کی روشنی میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

یہ تیسری رائے قدیم عربی مفسرین کے یہاں ملتی ہے اور بڑی ہی قیمتی ہے۔ اس میں غور و فکر کا بڑا سامان ہے۔ میرے علم کی حد تک اردو تفاسیر میں یہ رائے ناپید ہے اور اردو داں حلقہ اس سے نا آشنا ہے۔ اس لیے ضرورت محسوس کی گئی کہ اس پر اظہارِ خیال کیا جائے۔ اگر یہ بات کہی جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ اس رائے سے اردو داں حلقے کو پہلی بار متعارف کرایا جا رہا ہے۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُواْ كَآفَّةً فَلَوْلاَ نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُواْ فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُواْ قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُواْ إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ۔ (التوبہ:۱۲۲)

ترجمہ: ’’اور یہ ضروری نہیں کہ اہل ایمان سارے کے سارے ایک ساتھ (جہاد پر) نکل پڑیں مگر ایسا کیوں نہ ہو کہ ان کے ہر گروہ میں سے کچھ لوگ (جہاد پر) جایا کریں اور جب اپنی قوم میں واپس آئیں تو انہیں (عینی مشاہدات سے) آگاہ کریں تا کہ وہ (نفاق اور ترک جہاد سے) بچیں۔

زیر بحث آیت کے متعلق عام طور پر مفسرین کی دو مشہور رائیں پائی جاتی ہیں:

پہلی رائے:

ایک رائے یہ ہے کہ اس آیت کا تعلق احکام جہاد سے نہیں ہے بلکہ یہ ایک مستقل حکم ہے جس میں تعلیم و تعلم اور تفقہ فی الدین پر ابھارا گیا ہے۔

اس رائے کے قائلین آیت کی توجیہ یوں کرتے ہیں:

آیت ۹۷ میں بدوی عرب (اعراب) کے بارے میں یہ بات آئی ہے کہ ان کے لیے اپنے کفر و نفاق میں زیادہ سخت ہونے کی بنا پر دین کے حدود سے ناواقف رہنے کے امکانات زیادہ ہیں۔ مگر اس آیت میں یہ بات بتائی جا رہی ہے کہ ان دیہاتی آبادیوں کو مرض نفاق اور جہالت کی تاریکی سے نکالنے اور ان کے اندر اسلامی شعور پیدا کرنے کا انتظام و اہتمام ہونا چاہیے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ ہر دیہاتی علاقے اور ہر دیہاتی بستی اور ہر قبیلے سے کچھ لوگ نکل کر باری باری مدینہ آئیں۔ نبی کی صحبت سے مستفید ہوں، ان سے دین سیکھیں اور سمجھیں اور پھر اپنی قوم میں واپس جا کر لوگوں کو بتائیں اور سکھائیں۔

اس رائے کے ماننے والے مفسرین اور ان کے اقوال:

نیچے چند معروف مفسرین کے نام اور ان کے اقوال درج کیے جاتے ہیں تا کہ ان کی رائے بآسانی سمجھی جا سکے۔

(۱) مولانا سید ابوالاعلی مودودیؒ فرماتے ہیں:

''اس آیت کا منشا سمجھنے کے لیے اس سورت کی آیت ۹۷ پر پیش نظر رکھنی چاہیے جس میں فرمایا گیا ہے کہ: بدوی عرب کفر و نفاق میں زیادہ سخت ہیں اور ان کے معاملے میں اس امر کے امکانات زیادہ ہیں کہ اس دین کے حدود سے ناواقف رہیں جو اللہ نے اپنے رسولؐ پر نازل کیا ہے۔

وہاں صرف اتنی بات بیان کرنے پر اکتفا کیا گیا تھا کہ دارالاسلام کی دیہاتی آبادی کا بیشتر حصہ مرضِ نفاق میں اس وجہ سے مبتلا ہے کہ یہ سارے کے سارے لوگ جہالت میں پڑے ہوئے ہیں۔ علم کے مرکز سے وابستہ نہ ہونے اور اہل علم کی صحبت میسر نہ آنے کی وجہ سے اللہ کے دین کے حدود ان کو معلوم نہیں ہیں۔ اب یہ فرمایا جا رہا ہے کہ دیہاتی آبادیوں کو اس حالت میں پڑا نہ رہنے دیا جائے بلکہ ان کی جہالت کو دور کرنے اور ان کے اندر شعورِ اسلامی پیدا کرنے کا اب باقاعدہ انتظام ہونا چاہیے، اس غرض کے لیے یہ کچھ ضروری نہیں ہے کہ تمام دیہاتی عرب اپنے اپنے گھروں سے نکل نکل کر مدینے آ جائیں

اور یہاں علم حاصل کریں، اس کے بجائے ہونا یہ چاہیے کہ ہر دیہاتی علاقے اور ہر بستی اور قبیلے سے چند آدمی نکل کر علم کے مراکز مثلاً مدینے اور مکے اور ایسے ہی دوسرے مقامات میں آئیں اور یہاں دین کی سمجھ پیدا کریں، پھر اپنی اپنی بستیوں میں واپس جائیں اور عامۃ الناس کے اندر بیداری پھیلانے کی کوشش کریں۔'' (تفہیم القرآن، ج:۲،ص:۲۵۰-۲۵۱)

(۲) مولانا امین احسن اصلاحیؒ اس کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''یہ بات بھی صادقین کی معیت اور رفاقت ہی کے پہلو سے ارشاد ہوئی ہے۔ اوپر آیت ۹۷ر میں یہ بات بیان ہوچکی ہے کہ اعراب نے نبیؐ اور صالحین کی صحبت بہت کم اٹھائی ہے۔ وہ حلال وحرام کی حدود سے بے خبر ہیں۔ اس وجہ سے کفر ونفاق کی بیماری کا حملہ ان پر آسانی سے ہوجاتا ہے۔ اب یہ ان کو اس کمزوری کے علاج کی طرف توجہ دلائی کہ ان لوگوں کو زیادہ سے زیادہ پیغمبرؐ اور صحابہؓ کی صحبت سے مستفید ہونے کی سبیل نکالنے کی کوشش کرنی تھی۔ اگر سب لوگ اپنی اپنی جگہوں سے اٹھ کر مجلس نبوی میں نہیں پہنچ سکتے تھے تو ایسا کیوں نہیں کیا گیا کہ ہر گروہ میں سے ایک جماعت علمِ دین میں فہم وبصیرت حاصل کرنے کے لیے مجلسِ نبوی میں حاضر ہوتی تاکہ وہاں سے مستفید ہوکر اپنی قوم کو بھی اس سے مستفید کرتی۔ (تدبر قرآن، ج:۳،ص:۶۶۲)

(۳) امام قرطبیؒ نے بھی اسی رائے کو اختیار کیا ہے، کہتے ہیں:

''هذه الآية أصل في وجوب طلب العلم''۔ (الجامع لاحکام القرآن ج:۴،ص:۴۴۹)

محمد جمال الدین القاسمی الشامی صاحب محاسن التاویل، عبدالکریم الخطیب صاحب التفسیر القرآنی للقرآن، مولانا ابوالکلام آزاد صاحب ترجمان القرآن اور مولانا وحیدالدین خان صاحب تذکیر القرآن نے اسی رائے کو قبول کیا ہے۔

دوسری رائے:

اس آیت سے متعلق مفسرین کی دوسری رائے یہ ہے کہ یہ آیت احکام جہاد سے متعلق ہے۔

اس رائے کے قائلین آیت کی تاویل یوں کرتے ہیں:

مدینہ سے ایک ٹولی جنگ کے لیے نکلے گی اور بقیہ لوگ آپؐ کے ساتھ دین میں بصیرت حاصل کریں گے، اور جب مجاہدین واپس آئیں تو یہ موجود حضرات ان کو خوفِ خدا، ہر معصیت اور بدکاری سے ڈرائیں اور جو احکام نبیؐ سے سیکھے ہیں ان کو بھی بتائیں تاکہ وہ خدا کی نافرمانی اور برے کاموں سے بچیں۔

ان کے نزدیک (لیتفقهوا) اور (لينذروا) کا فاعل وہ لوگ ہیں جو آپؐ کے ساتھ مدینہ میں ٹھہر

یں گے۔ یہ لوگ (لیتفقھوا) سے پہلے وبقیت طائفة أخری یاو یمکث الباقون محذوف مانتے ہیں۔اور (قوم) سے مراد نکلنے والے مجاہدین اور (رجعوا) اور (یحذرون) کا فاعل بھی مجاہدین کو مانتے ہیں۔ نیز اس سلسلے میں وہ حضرت عبداللہ بن عباس، مجاہد، عکرمہ اور ضحاک کے اقوال بھی نقل کرتے ہیں۔

اس ضمن میں بعض مفسرین کے اقوال درج کیے جاتے ہیں تا کہ ان کی بات بالکل واضح ہو جائے۔

(۱) امام جصاص فرماتے ہیں:

ایک جماعت نکلے گی اور دوسری جماعت آپؐ کے ساتھ ٹھہرے گی۔ یہ ٹھہرنے والے لوگ ہی دین میں تفقہ حاصل کریں گے اور جنگ سے واپس آنے والے ساتھیوں کو ڈرائیں گے اور اللہ کے نازل کردہ احکام، اس کی کتاب اور اس کے حدود سے آگاہ کریں گے۔ (احکام القرآن ج:۳، ص:۱۱۸)

(۲) امام واحدی کہتے ہیں:

تمام لوگ جنگ کے لیے نہیں جائیں گے بلکہ ہر قبیلہ سے ایک جماعت نکلے گی اور بقیہ لوگ قرآن، سنت اور حدود کا علم حاصل کریں گے۔ (الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز ج:۱، ص:۴۸۶)

طوالت سے بچتے ہوئے ذیل میں چند نامور مفسرین کے صرف نام درج کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

امام شوکانی، برہان الدین البقاعی، ڈاکٹر وھبہ زحیلی، ڈاکٹر محمد محمود حجازی، ابن عاشور، سعید حوی، ابوالسعود، علامہ آلوسی، محمد متولی الشعراوی، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا عبدالماجد دریا آبادی وغیرہ نے اسی رائے کو اختیار کیا ہے۔

تیسری رائے:

یہ رائے پہلی اور دوسری رائے سے بالکل مختلف ہے، پہلی رائے سے اس طرح مختلف ہے کہ اس آیت کا تعلق خالص جہاد سے ہے، اور دوسری رائے سے یوں الگ ہے کہ لفظ (تفقہ) جہاد پر نکلنے والوں کی صفت ہے یعنی (تفقه فی الدین) جہاد کے ذریعے حاصل ہوگا۔

قبل اس کے کہ اس رائے کے علمی وعقلی دلائل فراہم کیے جائیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے رائے اول اور رائے ثانی پر ایک تنقیدی نظر ڈال لی جائے۔

پہلی رائے پر ایک نظر:

پہلی رائے قبول کرنے کی صورت میں چند اشکالات وارد ہوتے ہیں:

(۱) پہلا اشکال یہ کہ قرآن مجید میں (ن ف ر) مادہ سے بنے ہوئے مشتقات کس چیز کے لیے آئے ہیں؟ کیا لفظ (نفر) کسی ایک معنی میں استعمال ہوا ہے یا کئی معنوں میں؟

(۲) دوسرا اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سورہ توبہ میں آیت ۵ سے لے کر آیت ۱۲۳ تک قتلِ مشرکین قتلِ ائمہ کفر، اہلِ کتاب سے قتال، ہجرت و جہاد اور منافقین کے ساتھ سختی سے پیش آنے پر ابھارا گیا ہے۔ ایک طرف جہاد و قتال اور دوسری طرف تعلیم و تعلم۔ ان دنوں میں ربط کیا ہے؟ گویا کہ پوری سورہ جنگ اور جہاد سے بحث کر رہی ہے۔ مگر اس رائے کے قائلین کسی اور ہی موضوع سے بحث کر رہے ہیں۔

(۳) تیسرا اشکال یوں پیدا ہوتا ہے آیت ۹۷ ر میں جن بدوی عرب کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہ تو کفر ونفاق کے اعتبار سے نہایت سخت ہیں پھر زیر بحث آیت جس میں ''المومنون'' کا لفظ آیا ہے یہ دونوں برابر کیسے ہو سکتے ہیں؟ ایسے سخت لوگوں کے بارے میں یہ بات کیسے کہی جا سکتی ہے کہ دیہاتی عرب اپنے اپنے علاقوں اور گھروں سے نکل نکل کر مدینہ یا مکہ آئیں اور یہاں علم حاصل کریں جبکہ قرآن کہتا ہے کہ وہ اسی لائق ہیں کہ اللہ نے اپنے رسول پر جو کچھ اتارا ہے اس کے حدود سے بے خبر رہیں۔ مطلوب یہ نہیں ہے کہ وہ حدودِ دین سے ناواقف رہیں۔ مگر ان کے رویے نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ وہ اسی چیز کے مستحق ہیں۔

آیت ۹۷ ر اور آیت ۹۸ ر اور آیت ۱۰۱ ر میں جن اعراب کا ذکر کیا گیا ہے ان کے بارے میں تو قرآن کہتا ہے کہ انہیں دوہری سزا دی جائے گی۔ اور پھر وہ بڑی سزا کی طرف واپس لائے جائیں گے۔ (وَمِمَّنۡ حَوۡلَكُم مِّنَ ٱلۡأَعۡرَابِ مُنَٰفِقُونَ وَمِنۡ أَهۡلِ ٱلۡمَدِينَةِ مَرَدُواْ عَلَى ٱلنِّفَاقِ لَا تَعۡلَمُهُمۡ نَحۡنُ نَعۡلَمُهُمۡ سَنُعَذِّبُهُم مَّرَّتَيۡنِ ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٖ) (التوبہ:۱۰۱)

نظمِ کلام سے بے اعتنائی کا نتیجہ:

اللہ کا کلام ایک منظّم کلام ہے جس کی خصوصیت جمال، پختگی، وضاحت اور وحدت ہے۔ اسے منتشر کلام کے مانند سمجھنا اس کے ساتھ زیادتی ہے۔

نظمِ کلام کو نظر انداز کر کے تفسیر کرنے کا بڑا نقصان یہ ہوا ہے کہ آیت سورہ کے مرکزی مضمون سے ہٹ گئی۔ جس کی وجہ سے آیت کا صحیح مفہوم نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ سورہ کا مرکزی عنوان کچھ کہہ رہا ہے، مگر تفسیر کچھ اور، آیت کسی اور طرف لے جا رہی ہے مگر تاویل کسی اور طرف۔

اسی آیت سے فقہاء نے مروّجہ فقہ کی اصطلاح اخذ کی جس کا بڑا نقصان یہ ہوا کہ دین مذہبی تعلیم تک محدود ہو کر رہ گیا۔ وہ دین جو اپنے اندر آفاقیت رکھتا ہے آج روحِ دین سے خالی ہو کر محض جسمِ دین اور شکلِ دین اختیار کر گیا ہے۔

نظم کلام سے بے اعتنائی ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ بے شمار آیتوں کے صحیح مفہوم تک رسائی نہ ہو سکی اور صحیح

مفہوم روایات وتاویلات کے انبار تلے دب کر رہ گیا۔

اس لیے کسی آیت کے صحیح مفہوم تک پہنچنے اور اسے طے کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ربطِ کلام اور سیاق وسباق کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے۔

دوسری رائے پر ایک نظر:

اس رائے کے ماننے والوں کی بات یہاں تک تو درست ہے کہ یہ آیت جہاد سے متعلق ہے مگر ان کی یہ بات کہ بقیہ لوگ مدینہ میں نبیؐ کے پاس رہ کر دین میں بصیرت حاصل کریں گے، محل نظر ہے۔

اس ضمن میں مجاہد، قتادہ، عکرمہ اور ضحاک سے جو اقوال منقول ہیں ان میں اختلاف وتضاد پایا جاتا ہے۔ اختلاف یہ کہ ان میں سے ہر ایک کی رائے آیت کے تعلق سے الگ الگ ہے۔ یعنی سبب نزول کے سلسلے میں کوئی مخصوص گروہ مراد لیتا ہے اور کوئی عام لوگوں کو مراد لیتا ہے۔ اور تضاد یہ ہے کہ ایک تابعی سے اگر تین اقوال منقول ہیں تو ہر روایت میں مختلف باتیں ملتی ہیں۔ خود ابن عباس کی تین رائیں ملتی ہیں۔ ایک رائے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ آیت جہاد سے متعلق ہے اور دوسری روایت میں یہ بات کہی گئی ہے کہ یہ آیت جہاد سے متعلق نہیں ہے۔ اور تیسری روایت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ عرب کے ہر قبیلے سے ایک گروہ آپؐ کے پاس آتا اور دین کی جو باتیں مطلوب ہوتیں ان کے بارے میں آپؐ سے دریافت کرتا اور دین میں بصیرت حاصل کرتا۔ یہ لوگ نبی سے کہتے: آپؐ ہمیں کس بات پر عمل کرنے کا حکم دیتے ہیں؟ ہمیں وہ باتیں بتائیے جو ہم اپنے خاندان والوں کو واپس جا کر سکھائیں۔ چنانچہ اللہ کے رسول انہیں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا حکم دیتے اور نماز وزکاۃ کی ادائیگی کی تاکید کر کے انہیں ان کی قوم کی طرف واپس بھیج دیتے۔ (ملاحظہ ہو: تفسیر الطبری، ج:٦ ص:٥١٤-٥١٥)

اختلافات وتضادات کی صورت میں یہ بات کیسے قبول کی جاسکتی ہے کہ (لیتفقھوا) کا فاعل وہ گروہ ہے جو مدینہ میں ٹھہرے گا۔

یہاں پر امام طبری نے ایک پیدا ہونے والے سوال کا مسکت جواب دیا ہے۔ سوال یوں ہے کہ اگر کوئی یہ کہے کہ اگر اس کا معنی یہ لیا جائے کہ (تاکہ پیچھے رہ جانے والی جماعت دین کا فہم حاصل کرے تو آپ اس کا کیا جواب دیں گے؟)

اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

’’تو کہا جائے گا کہ یہ ناممکن ہے، کیونکہ اگر جہاد کے لیے نکلنے والی جماعت کا نکلنا پیچھے رہ جانے والی جماعت کے تفقہ کا سبب ہوگا تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ اُن کا اِن کے ساتھ رہنا اور جہاد کے لیے

نہ نکلنا اِن کی جہالت اور عدمِ تفقہ کا سبب ہوگا۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ اگر وہ لوگ ٹھہرے رہیں اور جہاد کے لیے نہ نکلیں تو ان کا ٹھہرنا اور جہاد کے لیے نہ نکلنا ان کے تفقہ سے روکنے کا سبب نہیں ہوگا''۔

آگے مزید وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم) یہ ارشاد باری (لیتفقھوا) پر عطف ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ نکلنے والی جماعت کے نکلنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کی جانب اس کے لیے نکلنے کا مقصد بتا دیا گیا تھا اور وہ مقصد تھا انذار۔ لہٰذا بھلا ایسی صورت میں پیچھے رہ جانے والی جماعت کا نکلنے والی جماعت کو انذار کرنے کا کیا مطلب ہوگا؟ جبکہ دونوں اللہ کی طرف سے انذار کو یکساں طور پر جانتے ہیں؟

اور اگر یہ ممکن مانا جائے کہ ایک گروہ دوسرے کو آگاہ کرے گا تو وہ نکلنے والا گروہ ہی ہونا چاہیے، اس لیے کہ اس نے اللہ کی قدرت اور کفار پر مومنین کے غلبے کا عینی مشاہدہ کیا ہے جو کہ پیچھے رہ جانے والی جماعت کو میسر نہیں آیا۔

اس لیے ان شاء اللہ یہی بات راجح ہے کہ نکلنے والی جماعت لوٹنے پر ان قبائل کو ڈرائے جو ایمان نہیں لائے ہیں کہ مبادا کہیں ان پر بھی وہی عذاب نازل ہو جائے جو اِن جیسے اُن مشرکین پر نازل ہوا جن پر اللہ نے مومنین کو فتح نصیب فرمائی جس کا انہوں نے عینی مشاہدہ کیا۔ (تفسیر الطبری، ج:۶، ص:۵۱۷)

تیسری رائے ایک نظر میں:

تیسری رائے اپنے دلائل کی بنیاد پر دیگر رایوں سے زیادہ مضبوط ہے۔ اگر ایک شخص غور و فکر کر کے انصاف سے کام لے تو وہ اسی نتیجے پر پہنچے گا۔ سورہ توبہ کا سیاق و سباق کی روشنی میں گہرائی کے ساتھ مطالعہ کرنے والا کوئی بھی شخص اس بات کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ سورہ توبہ کا مرکزی موضوع جنگ، جہاد اور قتال ہی ہے۔ خود سورہ انفال جو اس سے قبل آئی ہے غزوہ بدر پر تبصرہ کرتی ہے۔

عموماً ہوتا یہ ہے کہ اگر پہلے سے کسی چیز کے متعلق ایک یا دو رائیں موجود ہیں تو تیسری رائے کے بارے میں غور و فکر کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی گر چہ یہ رائے زیادہ قوی کیوں نہ ہو۔

اس رائے کو قبول یا رد کرنے سے پہلے اس کے دلائل پر غور کرنے کی ضرورت ہے، تاکہ حقیقی صورتِ حال واضح ہو جائے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے قرآن کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ پھر چند مفسرین کے اقوال کی روشنی میں زیرِ بحث آیت کا مطالعہ کرنے کی کوشش کریں گے۔

قرآن کیا کہتا ہے؟

مفسرین کا یہ ماننا ہے کہ قرآن کی سب سے بہتر تفسیر (تفسیر القرآن بالقرآن) ہے۔یعنی وہ تفسیر جس کی تفسیر خود قرآن کرے، جس کے دلائل خود قرآن فراہم کرے، جس کی مثالیں خود قرآن دے۔بلاشبہ قرآن کا بعض حصہ دوسرے حصے کی توضیح کرتا ہے، اگر ایک جگہ اجمال ہے تو دوسری جگہ اس کی تفصیل ہے۔اس لیے سب سے پہلے قرآن میں دیکھا جائے گا کہ وہ فلاں لفظ کن کن معنوں میں استعمال کرتا ہے۔آیا وہ فلاں لفظ کوکئی معنوں میں استعمال کرتا ہے یا صرف ایک معنی میں۔

اس اصول کو سامنے رکھ کر ہم سب سے پہلے یہ دیکھیں گے کہ قرآن لفظ (نفر) کو کس چیز کے لیے استعمال کرتا ہے۔قرآن مجید میں اس لفظ سے بنے ہوئے مختلف مشتقات آئے ہیں۔غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن نے اس لفظ کو ایک خاص معنی میں استعمال کیا ہے۔

سورہ نساء آیت ۷۱ رمیں ہے'' یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ خُذُواْ حِذْرَكُمْ فَانفِرُواْ ثُبَاتٍ أَوِ انفِرُواْ جَمِيعاً''۔

اس آیت میں دشمنوں سے چوکنا رہنے اوران سے جنگ کرنے کے لیے نکلنے پر ابھارا گیا ہے۔

سورہ توبہ میں اس کے مختلف مشتقات ملتے ہیں:

آیت ۳۸ رمیں ہے''يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمُ انفِرُواْ فِي سَبِيلِ اللّهِ اثَّاقَلْتُمْ إِلَى الأَرْضِ ''۔

آیت ۳۹ رمیں ہے''إِلاَّ تَنفِرُواْ يُعَذِّبْكُمْ عَذَاباً أَلِيماً''۔

آیت ۴۱ رمیں ہے''انْفِرُواْ خِفَافاً وَثِقَالاً وَجَاهِدُواْ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ''۔

آیت ۸۱ رمیں ہے''وَقَالُواْ لاَ تَنفِرُواْ فِي الْحَرِّ''۔

آیت ۱۲۲ رمیں ہے''وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُواْ كَآفَّةً فَلَوْلاَ نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُواْ فِي الدِّينِ۔۔۔"

مذکورہ بالا آیات سے یہ بات مترشح ہوجاتی ہے کہ قرآن نے جہاں بھی اس لفظ سے ماضی، مضارع یا امر کا صیغہ استعمال کیا ہے وہ صرف جہاد، جنگ اور قتال کے معنی میں کیا ہے۔

حسن بصری کی رائے نظم کلام کے موافق:

اس آیت کے سلسلے میں حسن بصری کا قول قابلِ ذکر اور قابلِ غور ہے۔ان کی رائے نظم کلام سے پوری طرح ہم آہنگ ہے۔کئی بڑے مفسرین نے حسن بصری کا قول اپنی تفسیروں میں ذکر کیا ہے اور اپنے

اپنے الفاظ میں اس کی بہترین ترجمانی کی ہے۔ جیسے امام ثعلبی صاحب الکشف والبیان، ابن حیان اندلسی صاحب البحر المحیط اور ابن عطیہ صاحب المحرر الوجیز۔

نیچے چند مشہور مفسرین کے حوالے سے حسن بصری کا قول نقل کیا جاتا ہے۔

۱۔ابن کثیر فرماتے ہیں: ''وقال الحسن البصری فی الآیة :لیتفقه الذین خرجوا، بمایریهم الله من الظهور علی المشرکین، والنصرة،وینذروا قومهم اذا رجعوا الیهم'' (تفسیر القرآن العظیم، ج:۲،ص:۱۱۱۰)

ترجمہ: حسن بصری کا اس آیت کے سلسلے میں کہنا ہے: کہ تفقہ نکلنے والوں کو حاصل ہوگا کیونکہ اللہ تعالی انہیں مشرکین پر غلبہ وفتح کا مشاہدہ کرائے گا۔ اور وہ اپنی قوم میں واپس آ کر انہیں آ گاہ کریں گے۔

۲۔امام رازی فرماتے ہیں: ''التفقه صفة للطائفة النافرة وکذا قول الحسن . ومعنی الآیة فلولا نفر من کل فرقة منهم طائفة حتی تصیر هذه الطائفة النافرة فقهاء فی الدین ، وذلك التفقه المراد منه انهم لیشاهدون ظهور المسلمین علی المشرکین،وان العدد القلیل منهم یغلبون العالم من المشرکین، فحینئذ یعلمون ان ذلك بسبب ان الله تعالیٰ خصهم بالنصرة والتائید وانه تعالیٰ یرید اعلاء دین محمد علیه السلام وتقو یة شریعته، فاذا رجعوا من ذلك النفر الی قومهم من الکفار انذروهم بما شاهدوا من دلائل النصر والفتح والظفر لعلم یحذرون، فیترکوا الکفر والشرك والنفاق'' ۔(التفسیر الکبیر، ج:۶،ص:۱۷۱،۱۷۰)

ترجمہ: تفقہ نکلنے والی جماعت کی صفت ہے۔ یہ حسن بصری کا قول ہے۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک ٹولی نکلے تاکہ یہ نکلنے والی جماعت فقہائے دین بن سکے۔ اور یہ تفقہ انہیں اس طرح حاصل ہوگا کہ وہ مشرکین پر مسلمانوں کے غلبے کا عینی مشاہدہ کریں گے۔ اور دیکھیں گے کہ ان کی قلیل تعداد مشرکین کی بھاری تعداد پر غلبہ حاصل کر رہی ہے۔ اس وقت انہیں معلوم ہوگا کہ ایسا اس لیے ہے کیونکہ اللہ تعالی نے انہیں نصرت وتائید سے ہمکنار کردیا ہے۔ اور اس لیے بھی کہ وہ محمدؐ کے دین کی سر بلندی اور اس کی لائی ہوئی شریعت کو قوت پہنچانا چاہتا ہے۔ اور اس سفرِ جہاد سے واپس جب اپنی قوم یعنی کفار کے پاس واپس ہوں گے تو جس فتح ونصرت اور کامرانی کی روشن دلیلوں کا مشاہدہ کیا ہے اس سے انہیں آ گاہ کریں گے تاکہ وہ ہوشیار ہو جائیں اور کفر وشرک اور نفاق کی روِش چھوڑ دیں۔

حسن بصری کی رائے پر ابن جریر کا تبصرہ:

ابن جریر نے اپنی تفسیر میں حسن بصری کی رائے کا صرف ذکر ہی نہیں کیا ہے بلکہ اسے معقول دلائل

کی روشنی میں اولی واقوی قرار دیا ہے۔

ابن جریر کہتے ہیں کہ: ''لیتفقهوا فی الدین ولینذروا قومهم اذا رجعوا الیهم '' کے سلسلے میں جتنے اقوال پائے جاتے ہیں ان سب میں سب سے زیادہ درست رائے وہی ہے جسے حسن بصری نے اختیار کیا ہے۔

آگے لکھتے ہیں کہ اس رائے کو قوی اور راجح قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ لفظ ''نفر'' جب مطلق بغیر کسی صلہ کے استعمال ہوتا ہے تو اہلِ عرب کے یہاں اس کا استعمال زیادہ تر جہاد اور جنگ کے لیے ہوتا ہے ،لہٰذا جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ ''فلولا نفر من کل فرقة منهم طائفة لیتفقهوا فی الدین ''تو معلوم ہوا کہ ''لیتفقهوا'' شرط ہے ''نفر'' کی نہ کہ کسی اور چیز کی۔(جامع البیان فی تاویل القرآن، ج:٦،ص:٥١٦)

ابن جریر کے دیگر دلائل (دوسری رائے پر ایک نظر) کے تحت گزر چکے ہیں اس لیے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

محمد رشید رضا کی ابن جریر کی رائے پر تنقید :

علامہ رشید رضا نے ابن جریر کی رائے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''یہ ایسی پر تکلف تاویل ہے جو نظم کلام سے ہم آہنگ نہیں ہے، کیونکہ فوجی دستے کو حاصل ہونے والی مدد کو تفقہ فی الدین نہیں کہا جا سکتا گرچہ یہ چیز فقہ کے وسیع مفہوم میں شامل ہے۔اس لیے کہ تفقہ تو اس تعلیم کا نام ہے جو بامشقت اور بالتدریج ہو،اور لفظ دین سے جو بات معلوم ہو رہی ہے وہ اس کا علم ہے۔اور اس عہد میں یہ مفہوم مراد لینا صرف انہیں لوگوں کے متعلق صحیح ہوگا جو نبیؐ کے ساتھ ٹھہرتے تھے اور روزانہ نزول قرآن کے ذریعے ان کے علم وفقہ میں اضافہ ہوتا تھا''۔(تفسیر القرآن الحکیم الشہیر بتفسیر المنار، ج:١١،ص:٨٠)

محمد رشید رضا کی رائے کا تنقیدی جائزہ:

اس سلسلے میں پہلی چیز یہ کہ علامہ رشید رضا بھی دوسری رائے کے قائل ہیں۔اور دوسری رائے کن کن بنیادوں پر کمزور ہے قاری کو یہ بات بخوبی معلوم ہوگئی ہوگی۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ کیا تعلیم وتفقہ کسی ایک جگہ پر قیام کر کے ہی حاصل ہوگا؟ کیا سفر کی حالت میں ممکن نہیں؟ آپ پر حضر کے علاوہ سفر میں بھی وحی کا نزول ہوتا تھا۔جنگ سے پہلے اور جنگ کے بعد بھی وحی آئی تھی۔تفقہ فی الدین کے لیے مدینہ میں نبی کے ساتھ قیام کرنا کیوں کر ضروری ہوسکتا ہے؟

تیسری بات یہ کہ علامہ رشید رضا نے ایک طرف تو یہ کہا کہ یہ تاویل نظم کلام سے ہم آہنگ نہیں ہے

اور دوسری طرف خود نظم کلام کیا ہے اس کی وضاحت نہیں کی۔ شاید نظم کلام سے وہ یہ مراد لیتے ہوں کہ چونکہ تفقہ اور دین میں ایک ربط ہے اس لیے اس آیت کا منشا ہے علم دین اور فہمِ دین۔

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ اس آیت میں (لیتعلموا) کا لفظ نہیں آیا ہے بلکہ (لیتفقھوا) کا لفظ آیا ہے۔ دونوں میں بڑا فرق ہے۔

آیت کا صحیح مفہوم

اس آیت کے متعلق مفسرین کرام کے متعدد اقوال ذکر کیے جا چکے ہیں، مگر تیسری رائے کے مطابق اس کے صحیح مفہوم پر ایک نظر ڈال لینا ضروری اور مفید ہوگا۔

اس آیت میں جہاد پر ابھارا گیا ہے۔ جہاد کے لیے نہ نکلنے پر تنبیہ فرمائی گئی ہے۔ اور یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ جہاد کی راہ میں نکلنے والوں کو دین میں گہری بصیرت حاصل ہوگی۔ نیز اس بات کی بھی تاکید فرما دی گئی ہے کہ جہاد سے واپس آنے کے بعد اپنی قوم میں انذار کا فریضہ انجام دینا ہے۔ انھیں اپنے تجربوں اور عینی مشاہدوں سے آگاہ کرنا ہے۔

سید قطب شہیدؒ فرماتے ہیں کہ:

میرے نزدیک اس آیت کا صحیح مفہوم یہ ہے "سفرِ جہاد پر سبھی اہلِ ایمان کا نکلنا ضروری نہیں۔ بلکہ ان کے ہر گروہ میں سے کچھ باری باری نکلیں (یعنی وہ آپس میں باریاں بنالیں، کچھ لوگ جہاد کے لیے نکلیں اور باقی لوگ قوم کے درمیان رہ جائیں اور پھر اگلی بار باقی رہنے والے جہاد پر نکلیں اور دوسرے لوگ قوم کے درمیان رہ جائیں) تا کہ وہ اس سفر پر نکل کر اور عقیدے کی راہ میں جدو جہد کر کے دین کی سمجھ بوجھ پیدا کریں اور جب اپنی قوم میں واپس آئیں تو دورانِ جہاد و عمل انہوں نے جو کچھ مشاہدہ کیا ہو اور دین کا جتنا فہم حاصل کیا ہو، اس سے باقی لوگوں کو روشناس کرائیں۔ (فی ظلال القرآن، ج:٦، ص:٧٧٧)

جہاد پر باری باری نکلنے کی وجہ:

اب جب کہ دارالاسلام کا زمینی رقبہ کافی وسیع ہو چکا تھا۔ اسلام کی آواز دور دور تک پہنچ چکی تھی۔ ہر طرف (جاء الحق و زھق الباطل) کا چرچا ہو رہا تھا۔ مجاہدین کی تعداد میں کافی اضافہ ہو گیا تھا۔ اسلام میں داخل ہونے والوں کی آبادیاں بڑھ گئی تھیں۔ ان کے معاشرتی و تجارتی امور کافی پھیل چکے تھے۔ یہ چیز متقاضی ہوئی کہ تقسیم کار کے اصول پر ان کے معاشی کام بھی چلتے رہیں اور جہاد کی مہم بھی متأثر نہ ہو۔

صحابہ کی دو اہم سرگرمیاں: قرآن کا فہم اور جہاد کی مہم

بلاشبہہ صحابہ کرام معاشرتی اور تجارتی امور میں حصہ لیتے تھے۔ بیوی اور بچوں کی کفالت بھی کرتے تھے۔ عبادات ومعاملات کے حقوق کی ادائیگی بھی کرتے تھے۔ مگر اس کے لیے وہ بے چین نہیں رہتے تھے۔ بلکہ اگر کوئی چیز انھیں بے چین رکھتی تھی تو وہ دین (خدائی نظام حیات) تھا۔ اسی کی سربلندی کے لیے وہ تڑپتے تھے، گھلتے تھے، جیتے اور مرتے تھے۔ اس کی خاطر انہوں نے اپنی زندگیاں وقف کردی تھیں۔

قرآن ان کا گائیڈ تھا۔ وہ زندگی کے تمام گوشوں کو اس سے منور کرتے۔ اسی کی رہنمائی میں اپنے شب وروز گزارتے۔ اسی سے وہ فکری وروحانی غذا حاصل کرتے۔

قرآن ہی کی بدولت انہوں نے قوموں کو فتح کیا، دلوں کو فتح کیا۔ اسی سے ذہنوں کو بدلا، تہذیب وتمدن کو بدلا، اخلاق واعمال کو بدلا۔

قرآن ہی کی بدولت سیادت وقیادت کے منصب پر فائز رہے۔ اسی سے تاریک ذہنوں کو جب تک دنیا میں رہے آبِ حیات بن کر سینچتے رہے۔

قرآن کو سمجھنا اور سمجھانا، سیکھنا اور سکھانا ان کی پہچان تھی۔ مسجدِ نبوی میں حلقہ قرآن کا اہتمام کرتے، اپنے گھروں میں اس کی تلاوت وتفہیم کرتے، اس کو سنتے اور سناتے، اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے اس کو گنگناتے اور لوگوں کے درمیان اسی کے پیغام کو عام کرتے۔

جہاد صحابہ کرام کی سب سے بڑی سرگرمی شمار کی جاتی تھی۔ انہوں نے اپنی زندگیاں جہاد میں گزار دیں۔ روحِ جہاد ان کی رگوں میں بجلی کی طرح دوڑ رہی تھی۔ اس کے لیے وہ ہر وقت تیار رہتے تھے۔ (واعدّوا لهم ما استطعتم من قوّة ومن رباط الخيل ترهبون به عدوّ الله وعدوّكم وآخرون من دونهم لا تعلمونهم الله يعلمهم) کے سچے مصداق تھے۔ میدانِ جنگ میں اپنا جوہر قابل دکھانے کے لیے وہ کافی محنت ومشق کرتے تھے۔

صحابہ کرام جہاد کے نام پر سب کچھ قربان کردیتے، اللہ اور رسول کی محبت کو ہر چیز پر مقدم رکھتے۔ کتنے صحابہ ایسے تھے جو سامانِ سفر نہ ہونے کی وجہ سے جہاد کے لیے تڑپتے تھے، روتے تھے، کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ دخولِ جنت کے لیے مال کی قربانی کے ساتھ ساتھ جان کی بھی قربانی ضروری ہے۔ ''ان الله اشترى من المومنين انفسهم واموالهم بان لهم الجنة''

انہیں معلوم تھا کہ جنت اتنی آسان نہیں ہے کہ زبان سے کہہ دیا: لا الٰہ الا اللہ اور جنت میں داخل

ہوگئے۔انہیں معلوم تھا کہ لا الہ الا اللہ کے تقاضے کیا ہیں۔انہیں معلوم تھا کہ یہ کلمہ پڑھ لینے کے بعد اپنی زندگی کو راہِ خدا میں وقف کر دینا ہی اس کلمہ کا مقصودِ اصلی ہے۔

جہاد کا مطلب:

جہاد کے معنی ہیں: کسی مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اپنی انتہائی کوشش صرف کر دینا۔ یہ محض جنگ کا ہم معنی نہیں ہے۔ جنگ کے لیے تو قتال کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ جہاد اس سے وسیع تر مفہوم رکھتا ہے اور اس میں ہر قسم کی جدوجہد شامل ہے۔ (تفہیم القرآن، ج:۱،ص:۱۲۶)

انسان پر سے انسان کی حکومت مٹا کر خدائے واحد کی حکومت قائم کرنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دینے اور جان توڑ کوشش کرنے کا نام جہاد ہے۔ (خطبات:۲۶۷)

زبان و قلم کے زور سے لوگوں کے نقطہ نظر کو بدلنا اور ان کے اندر ذہنی انقلاب پیدا کرنا بھی جہاد ہے۔تلوار کے زور سے پرانے ظالمانہ نظامِ زندگی کو بدل دینا اور نیا عادلانہ نظام مرتب کرنا بھی جہاد ہے اور اس راہ میں مال صرف کرنا اور جسم سے دوڑ دھوپ کرنا بھی جہاد ہے۔ (تفہیمات، ج:۱،ص:۷۳)

بلاشبہ لفظِ جہاد میں بڑی وسعت ہے۔البتہ زیرِ مطالعہ آیت میں جہاد بمعنی قتال یعنی جنگ ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ جہاد کرنے والا ہر طرح کی دنیوی غرض سے اوپر اٹھ کر صرف اللہ کی رضا کے لیے جہاد کرے۔

جہاد کا مقصد:

جہاد کا مقصد ہرگز یہ نہیں ہے کہ دشمنانِ اسلام کی گردنیں اڑائی جائیں۔عداوت ودشمنی کی پیاس بجھائی جائے،ملک پر قبضہ کیا جائے، دولت سمیٹی جائے، مالِ غنیمت لوٹا جائے، لوگوں کو قید کیا جائے،غلام بنایا جائے۔جہاد کا اصل مقصد یہ ہے کہ باطل کی جڑ کٹ جائے اور حق غالب ہو جائے۔کلمہ کفر پست ہو جائے اور اللہ کا کلمہ بلند ہو جائے۔

سورہ انفال کی آیت ۷۔۸ر میں آیا ہے: وَيُرِيدُ اللّٰهُ أَن يُحِقَّ الحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِينَ۔ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ۔

ترجمہ: اور اللہ کی مشیت یہ تھی کہ اپنے ارشادات سے حق کو حق کر دکھائے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے تاکہ حق حق ہو کر رہے اور باطل باطل ہو کر رہ جائے خواہ مجرموں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔

اللہ کی زمین سے فتنہ وفساد کا خاتمہ اور امن وسلامتی قائم کرنے کے لیے جہاد کیا جاتا ہے۔عدل و انصاف کی حکومت قائم کرنے کے لیے جہاد کیا جاتا ہے۔انسانوں پر سے انسانوں کی حاکمیت ختم کرنے

کے لیے جہاد کیا جاتا ہے۔اللہ کے بندوں کواس کی بندگی سے روکے جانے کی صورت میں جہاد کیا جاتا ہے۔مفسدوں اور فتنہ پردازوں کے شر سے اللہ کے مظلوم و بےبس بندوں کونجات دلانے کی خاطر جہاد کیا جاتا ہے۔

اس کے لیے اگر چند جانیں تلف ہوجائیں تو ایسا کرنا جائز ہی نہیں بلکہ فرض ہے۔کیونکہ اخلاقی ،روحانی اور مادی تباہی کی مصیبتیں نازل کرنے والے ظالم انسانیت کے حقیقی دشمن ہوتے ہیں۔اس کے لیے ایک ایسے اقتدار کی ضرورت ناگزیر ہے جو طاقت کے زور سے ظلم کی بیخ کنی کر سکے۔

جہاد انسانیت کو زندگی عطا کرتا ہے :

سورہ انفال آیت ۲۴ میں اہلِ ایمان سے یوں خطاب کیا گیا ہے:یَـا أَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُواْ اسْتَجِیْبُواْ لِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاکُم لِمَا یُحْیِیْکُمْ ۔

اے ایمان والو! اللہ ورسول کی دعوت پر لبیک کہو جبکہ رسول تمھیں اس چیز کی طرف بلا رہا ہے جو تمھیں زندگی بخشنے والی ہے۔

جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعے نہ صرف یہ کہ اہلِ ایمان کے لیے امن وسلامتی کی زندگی نصیب ہوتی ہے بلکہ پوری انسانیت کے لیے امن وسلامتی کی راہیں کھل جاتی ہیں۔

اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لیے اللہ کی راہ میں لڑی جانے والی جنگ میں بظاہر انسان قتل ہوتے نظر آتے ہیں،مگر فی الواقع انسانیت کو زندگی مل رہی ہوتی ہے۔

فتنہ وفساد اور ظلم وستم انسانیت کے حق میں زہر ہے۔انسانیت کی صلاح وفلاح کے لیے ضروری ہے کہ اللہ کی زمین سے فتنہ وفساد مٹے،اور ظلم وستم کا خاتمہ ہو۔

تفقہ کا مطلب :

تفقہ تفعل کے وزن پر ہے اوراس میں تکلف کا معنی پایا جاتا ہے یعنی پریشانی اٹھا کر،مصیبت جھیل کر اور محنت ومشقت کی دشوار گزار گھاٹیاں طے کر کے بصیرت حاصل کرنا۔اس سے معلوم ہوا کہ فہمِ دین مشکل طلب کام ہے جو آسانی سے حاصل نہیں ہوا کرتا۔اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ جب آدمی سفرِ جہاد پر نکلتا ہے تب اسے ہر طرح کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔اس سے زیادہ مشکل گزار گھاٹی کوئی اور نہیں ہوسکتی۔اس سے زیادہ پریشانی کسی اور سفر میں نہیں ہوسکتی۔

دین کا مطلب :

صرف ایمان اور عبادت کا نام دین نہیں ہے۔دین اس پورے نظام زندگی کو کہتے ہیں جس میں

حاکمیت صرف اللہ ہی کی ہو۔تسلیم واطاعت صرف اللہ ہی کی ہو۔جس میں قانون سازی کا اختیار صرف اللہ ہی کو ہو، جس میں اخلاقی و تعلیمی ،تمدنی ومعاشرتی اور معاشی وسیاسی نظام الٰہی ہدایات کے مطابق ہو، زندگی کے ہر ہر گوشے اور ہر ہر شعبے میں اللہ ہی کا قانون نافذ ہو۔

فقہی احکام ومسائل کی معرفت کا نام تفقہ فی الدین نہیں :

تفقہ فی الدین کا تعلق احکام ومسائل سے نہیں ہے۔علماء کے اقوال اور فقہاء کی آراء کے احاطہ کا نام تفقہ فی الدین نہیں ہے۔عبادات ومعاملات کی جزئیات وکلیات کی لمبی لمبی بحثوں کو دلائل کی روشنی میں جانچنے کا نام تفقہ فی الدین نہیں ہے۔

مولانا مودودیؒ اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس کے نظام میں بصیرت حاصل کرنا،اس کے مزاج اور اس کی روح سے آشنا ہونا، اور اس قابل ہو جانا کہ فکروعمل کے ہر گوشے اور زندگی کے ہر شعبے میں انسان یہ جان سکے کہ کون سا طریقِ فکر اور کون سا طرزِ عمل روحِ دین کے مطابق ہے۔لیکن آگے چل کر جو قانونی علم اصطلاحاً فقہ کے نام سے موسوم ہوا اور جو رفتہ رفتہ اسلامی زندگی کی محض صورت (بمقابلہ روح) کا تفصیلی علم بن کر رہ گیا۔لوگوں نے اشتراکِ لفظی کی بنا پر سمجھ لیا کہ بس یہی وہ چیز ہے جس کا حاصل کرنا حکم الٰہی کے مطابق تعلیم کا منتہائے مقصود ہے۔'' (تفہیم القرآن، ج:۲،ص:۲۵۱-۲۵۲)

اس گفتگو میں شرعی علوم کے سیکھنے کی نفی نہیں کی جارہی ہے کیونکہ یہ تو ہر مسلمان کی بنیادی ضرورت ہے۔لیکن کوئی یہ نہ سمجھے کہ جو شخص دین کے ہر چھوٹے بڑے مسئلے سے اچھی طرح واقف ہو گیا اسے تفقہ فی الدین بھی حاصل ہو گیا۔تفقہ فی الدین اس سے کافی آگے کی چیز ہے جو محض کتابوں کی ورق گردانی سے نہیں ملا کرتا۔سوال پیدا ہوتا ہے پھر کیسے حاصل ہوگا؟اس کا جواب آئندہ صفحات میں آرہا ہے۔

جہاد اور تفقہ فی الدین میں مناسبت :

مفسرین سے آیت کی تفسیر سے متعلق جو لغزش ہوئی ہے اس کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ انہیں جہاد اور تفقہ فی الدین میں کوئی مناسبت ہی نظر نہیں آئی۔چنانچہ جن لوگوں نے یہ کہا کہ اس آیت کا تعلق جہاد سے نہیں ہے انہوں نے نظم کا خیال نہیں رکھا اور جنہوں نے یہ کہا کہ آیت جہاد سے تو متعلق ہے مگر تفقہ کا تعلق مجاہدین سے نہیں بلکہ دوسرے لوگوں سے ہے انہیں جہاد اور تفقہ میں کوئی مناسبت نظر نہیں آئی۔حالانکہ سورہ توبہ کا موضوع جنگ اور جہاد ہی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جہاد اور تفقہ فی الدین میں بڑا گہرا ربط ہے اور وہ یہ ہے کہ جہاد ایک بامشقت

کام ہے اور تفقہ کے اندر پریشانی اور مشقت جھیل کر سمجھ پیدا کرنے کا مفہوم ہے چنانچہ تفقہ پیدا کرنے کے لیے سفر جہاد پر نکلنا ضروری قرار پایا۔ آگے اسی پر گفتگو کی جائے گی۔

جہاد کے ذریعے تفقہ فی الدین کیسے حاصل ہو گا؟

جہاد ایک طرح سے مکمل ٹریننگ کا نام ہے۔ مکمل جدوجہد کا نام ہے۔ مکمل حرکت وعمل کا نام ہے۔ اس کے لیے اسے دنیا کی تمام چیزوں سے کٹ کر یکسو ہونا پڑے گا۔ اسے گھر کا آرام بھی چھوڑنا ہوگا۔ گھر کا لذیذ کھانا بھی چھوڑنا ہوگا۔ گھر کا سایہ بھی کھونا پڑے گا، مال اور اولاد کی محبت بھی دل سے نکالنی پڑے گی۔

اور ایک مجاہد جب جہاد پر نکلتا ہے تو راستے کی مشقتوں کو جھیلتا ہے، بھوک اور پیاس بھی برداشت کرتا ہے، لمبے لمبے سفر طے کرتا ہے، راتوں کو جاگتا ہے، زمین پر سوتا ہے، میدان جنگ میں نماز عشق بھی ادا کرتا ہے۔

نہ مسجد میں نہ بیت اللہ کی دیواروں کے سایے میں
نمازِ عشق ادا ہوتی ہے تلواروں کے سایے میں

اسے دشمنوں کے حملے کا ہر وقت اندیشہ لگا رہتا ہے، وہ گرد وغبار کا مزہ بھی چکھتا ہے۔ معرکہ آرائی کے وقت تلواروں، نیزوں اور تیروں کے زخم بھی کھاتا ہے۔ پھر وہ اپنی کھلی ہوئی آنکھوں سے حق و باطل میں کشمکش کا مشاہدہ کرتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ جاہلیت کا خاتمہ ہو رہا ہے، وہ دیکھتا ہے کہ طاغوتی نظام تاراج ہو رہا ہے، وہ دیکھتا ہے کہ وقت کا فرعون دم توڑ رہا ہے، وہ دیکھتا ہے کہ کفر و شرک کے اندھیرے مٹ رہے ہیں، وہ دیکھتا ہے کہ باطل کا بازو ٹوٹ رہا ہے، وہ دیکھتا ہے کہ دشمنانِ اسلام میدان سے بھاگ رہے ہیں، اللہ کے سپاہی ایمانی ولولوں کے ساتھ میدانِ کارزار میں ڈٹے ہوئے ہیں، اہل ِایمان غالب آرہے ہیں، وہ دیکھتا ہے کہ اللہ کی مدد آرہی ہے، اللہ کا وعدہ پورا ہو رہا ہے، اللہ کا کلمہ بلند ہو رہا ہے۔

جو شخص ان تمام چیزوں کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرے گا وہی اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ دین کی حقانیت، اس کی ہمہ گیریت، اس کی شان وشوکت اور اس کی عظمت واہمیت کو سمجھے۔

وہی اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ دین کے اسرار و رموز اس کے لیے کھل جائیں، دنیا اور آخرت کا فرق واضح ہو جائے، وہی اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ معروف و منکر اور خیر و شر کے فرق کو اچھی طرح سمجھ لے۔

جہاد کے ذریعے تفقہ فی الدین کیسے حاصل ہوگا اس سلسلے میں سید قطب شہید کے جملے بڑے قیمتی ہیں۔ رقمطراز ہیں:

''دین اسلام ایک متحرک نظام ہے جسے وہی شخص سمجھ سکتا ہے جو عملاً اس کے ساتھ سرگرم سفر ہو۔ چنانچہ جو لوگ جہاد کے لیے نکلیں گے وہ دوسروں کے مقابلے میں اس کا زیادہ فہم حاصل کریں گے۔ کیونکہ اس جدوجہد کے دوران دین کے اسرار ورموز ان پر کھلتے جائیں گے اور اس کے علمی مظاہر ونشانات ان کی آنکھوں کے سامنے سے گزریں گے۔ رہے وہ لوگ جو اس علمی جدوجہد میں شریک نہ ہوں تو وہ کسب فیض کے لیے ان لوگوں کے محتاج ہوں گے جو اس جدوجہد میں شامل ہو چکے ہوں، کیونکہ راہ حق میں نکلنے والے جن چیزوں کا مشاہدہ کر چکے ہوں گے وہ مقدم الذکر کے مشاہدے میں نہ آئی ہوں گی۔ جو فہم ان کو حاصل ہوا ہوگا وہ ان کو حاصل نہیں ہوگا اور سرگرم عمل افراد، دین حق کے جن اسرار ورموز تک پہنچے ہوں گے۔ ان تک ان کی رسائی نہ ہوئی ہوگی۔ خصوصاً جبکہ ان کا نکلنا، ''رسول اللہ کی معیت میں ہو'' اور یوں عمومی طور پر غلبہ اسلام کی جدوجہد کے راستے میں نکلنا، دین میں فہم وبصیرت پیدا کرنے کا قریب ترین ذریعہ ہے۔ (فی ظلال القرآن، ج:۶ ص:۷۷۷)

تفقه فی الدین کے لیے یکسوئی محض ایک وهم :

دینِ اسلام جدوجہد اور مسلسل حرکت وعمل ہی سے آگے بڑھا ہے، یہ بات اس کے مزاج میں ہے ہی نہیں کہ جہدِ مسلسل اور عملِ پیہم کو چھوڑ کر یکسوئی اور گوشہ نشینی اختیار کرنے کی تعلیم دے۔ صحابہ کرام اور علمی میدان میں سرگرم رہنے والے لوگ ہمیشہ سے عملی زندگی ہی سے وابستہ رہے ہیں۔

سید قطب فرماتے ہیں:

''شاید یہ بات اس کے برعکس معلوم ہو، جو فوری طور پر ذہن میں متبادر ہوتا ہے کہ جہاد وقتال اور حرکت وعمل سے دور رہنے والے تفقہ فی الدین کے لیے یکسو ہو سکتے ہیں۔ مگر یہ صرف ایک وہم ہے جو دین حق کے مزاج سے میل نہیں کھاتا۔ کیونکہ جدوجہد اور حرکت وعمل اس دین کا خاصہ ہے۔ اس وجہ سے وہی لوگ اس کا صحیح فہم حاصل کر سکتے ہیں جو اس کی راہ میں سرگرم عمل ہوں اور اسے لوگوں کی عملی زندگی میں نافذ کرنے اور جاہلیت پر اسے غالب کرنے کے لیے کوشاں وسرگرداں ہوں۔ (فی ظلال القرآن، ج:۶ ص:۷۷۸)

تجربات کیا بتاتے هیں؟

جس فقیہ کی زندگی عملی زندگی کی حرارت سے خالی ہو، جو شریعتِ الٰہیہ کے نفاذ اور طاغوتی نظام کے

ابطال کے لیے سرگرم عمل نہ ہو، وہ گوشۂ عافیت میں بیٹھ کر کتابوں کا فقیہ تو ہوسکتا ہے لیکن فقیہِ دین نہیں کہلاسکتا۔ دین کا حقیقی فہم تو میدانِ جہد و عمل اور زندگی کے تلاطم خیز دھارے میں، دین کی عملی جد و جہد کے دوران ہی حاصل ہوسکتا ہے۔

سید قطب واضح لفظوں میں فرماتے ہیں:

''تجربات شاہد ہیں کہ جو لوگ دینِ حق کی عملی جد و جہد میں شامل نہیں ہوتے۔ انہیں اس کا صحیح فہم حاصل نہیں ہو پاتا۔ خواہ وہ کتابوں میں اس کا کتنا ہی ٹھنڈا مطالعہ کر ڈالیں، اس دین کی حقیقت افروز جھلکیاں صرف ان لوگوں کے سامنے لمعۂ فگن ہوتی ہیں جو اسے لوگوں کی زندگیوں میں قائم کرنے کے لیے مصروفِ حرکت و عمل رہتے ہیں، اس کے حقائق ان لوگوں پر منکشف نہیں ہوتے جو کتابوں میں غرق اور ان کے اوراق میں گم ہوں۔ (فی ظلال القرآن، ج:٦، ص:٨٧٧)

آخری بات:

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس آیت کا تعلق تعلیم و تعلم سے نہیں بلکہ جہاد فی سبیل اللہ سے ہے۔ یہ آیت ان آیتوں میں سے ہے جو ایک مردِ مومن کو جہاد پر ابھارتی ہے۔ جہاد دین کا ایک اہم فریضہ ہے۔

فریضۂ جہاد سے غفلت کا نتیجہ یہ ہوا کہ امت رو بہ زوال ہوگئی، ذلت و مسکنت اس کا مقدر بن گئی، سیادت و قیادت کی زمامِ کار اس سے چھن گئی، امامت و خلافت کے منصب سے ہٹادی گئی۔

اس لیے ضروری ہے کہ امت کو جہاد کی حقیقت و اہمیت سے روشناس کرایا جائے اور جہاد سے غفلت کے برے نتائج سے آگاہ کیا جائے۔

ایک حقیقی مسلمان وہ ہے جو راہِ خدا میں اپنی پوری زندگی وقف کردے، یہاں تک کہ ضرورت پڑے تو اپنی جان کی قربانی بھی دے دے۔

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ اس حقیر سی کوشش کو قبول فرمائے۔ اور ہمیں اپنے ان بندوں میں شامل ہونے کی توفیق بخشے جنہوں نے اس کے کلمہ کی سربلندی کی خاطر اپنی زندگیاں وقف کردیں۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

اردو تراجم قرآن پر ایک نظر (۲۱)

(مولانا محمد امانت اللہ اصلاحی کے افادات کی روشنی میں)

ڈاکٹر محی الدین غازی، ای میل:mohiuddin.ghazi@gmail.com

اس مضمون میں اس کی ضرورت نہیں محسوس کی گئی کہ قرآن مجید کے ترجمہ کا اہم اور عظیم کام کرنے والوں کی تحسین میں کچھ رقم کیا جائے کہ اتنی عظیم خدمت مختلف شخصیات کے ذریعہ جس قدر ہمت واہتمام سے انجام دی گئی، وہ محتاج بیان وستائش نہیں ہے۔

پیش نظر تحریر میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ قرآن مجید کے ترجمہ کا کام بہت ضروری مگر نازک عمل ہے، اس میں غلطی کے امکانات کو کم سے کم کرتے رہنے کی مسلسل کوشش ضروری ہے، قرآن اللہ کا کلام ہے، تاہم اس کلام کا ترجمہ ایک انسانی کوشش ہوتی ہے، جس میں غلطیوں کا امکان ہمیشہ باقی رہتا ہے، اسی لئے جو ترجمہ جتنا زیادہ مشہور ومتداول ہے اس کا بار بار گہرائی اور باریک بینی سے جائزہ لیتے رہنا بھی اسی قدر زیادہ ضروری ہے۔ اس جائزہ میں نہ کسی طرح کا احترام مانع ہونا چاہئے اور نہ کوئی نسبت حائل ہونی چاہئے، راقم کی رائے میں ہونا تو یہ چاہئے کہ ترجمہ قرآن کا کام اجتماعی طور پر اکیڈمی کی سطح پر اور متعدد بار متعدد ماہرین لغت کی نظر سے گذرنے کے بعد قابل اشاعت سمجھا جائے، اور اشاعت کے بعد بھی نظر ثانی کا کام جاری رہے۔ لیکن بوجوہ تراجم قرآن کے ساتھ ایسا اہتمام نہیں ہوسکا۔ عام طور سے ہر ترجمہ قرآن ایک انفرادی کوشش رہی ہے، اور اس لئے غلطیوں کا امکان کسی نہ کسی حد تک ہر ترجمہ میں پایا جاتا ہے۔

----

(۱۰۸) القاء کا ترجمہ

القاء کا مطلب ڈالنا اور رکھنا ہوتا ہے، پھینکنا اس لفظ کی صحیح ترجمانی نہیں کرتا ہے، بعض لوگوں نے جگہ جگہ اس لفظ کا ترجمہ پھینکنا کیا ہے، کہیں کہیں اس سے مفہوم میں فرق نہیں پڑتا، لیکن کہیں کہیں تو اس ترجمہ سے مفہوم میں واضح طور پر خرابی آجاتی ہے۔

ہم پہلے وہ آیتیں ذکر کرتے ہیں جہاں القاء کا ترجمہ پھینکنا ہو ہی نہیں سکتا ہے، اس لئے کسی نے یہ ترجمہ نہیں کیا ہے، خاص طور سے سید مودودی نے بھی نہیں، جو کہ اکثر جگہ القاء کا ترجمہ پھینکنا کرتے ہیں:

(۱) وَأَلْقَى فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ۔ (النحل:۱۵)

''اس نے زمین میں پہاڑوں کی میخیں گاڑ دیں'' (سید مودودی)

''اور اس نے زمین میں لنگر ڈالے'' (احمد رضا خان)

(۲) وَأَلْقَى فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ۔ (لقمان:۱۰)

''اس نے زمین میں پہاڑ جما دئے'' (سید مودودی)

(۳) فَلَوْلَا أُلْقِيَ عَلَيْهِ أَسْوِرَةٌ مِّن ذَهَبٍ۔ (الزخرف:۵۳)

''کیوں نہ اس پر سونے کے کنگن اتارے گئے'' (سید مودودی)

اس کے بعد ہم وہ آیتیں ذکر کرتے ہیں، جہاں القاء کا ترجمہ پھینکنا کرنے سے مفہوم میں بظاہر کوئی خرابی پیدا نہیں ہوتی، گو کہ لفظ کی رعایت سے یہاں بھی پھینکنے کے بجائے ڈالنا ترجمہ کرنا زیادہ بہتر ہے:

(۱) فَأَلْقَى عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ۔ (الاعراف:۱۰۷)

''موسی نے اپنا عصا پھینکا اور یکایک وہ ایک جیتا جاگتا اژدہا تھا'' (سید مودودی)

''موسیٰ نے اپنی لاٹھی (زمین پر) ڈال دی تو وہ اسی وقت صریح اژدھا (ہوگیا)'' (فتح محمد جالندھری)

(۲) قَالُواْ يَا مُوسَى إِمَّا أَن تُلْقِيَ وَإِمَّا أَن نَّكُونَ نَحْنُ الْمُلْقِينَ۔ قَالَ أَلْقُوْاْ فَلَمَّا أَلْقَوْاْ سَحَرُواْ أَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوهُمْ وَجَاءُوا بِسِحْرٍ عَظِيمٍ۔ وَأَوْحَيْنَا إِلَى مُوسَى أَنْ أَلْقِ عَصَاكَ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ۔ (الاعراف:۱۱۵-۱۱۷)

''پھرانہوں نے موسی سے کہا ''تم پھینکتے ہو یا ہم پھینکیں؟ موسی نے جواب دیا تم ہی پھینکو۔انہوں نے جو اپنے انچھر پھینکے تو نگاہوں کو مسحور اور دلوں کو خوف زدہ کر دیا اور بڑا ہی زبردست جادو بنالائے۔ہم نے موسی کو اشارہ کیا کہ پھینک اپنا عصا۔اس کا عصا پھینکنا تھا کہ آن کی آن میں وہ ان کے اس جھوٹے طلسم کو نگلتا چلا گیا'' (سید مودودی)

''(جب فریقین روزِ مقررہ پر جمع ہوئے تو) جادوگروں نے کہا کہ موسیٰ یا تو تم (جادو کی چیز) ڈالو یا ہم ڈالتے ہیں. (موسیٰ نے) کہا تم ہی ڈالو۔ جب انہوں نے (جادو کی چیزیں) ڈالیں تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا (یعنی نظر بندی کر دی) اور (لاٹھیوں اور رسیوں کے سانپ بنا بنا کر) انہیں ڈرا دیا اور بہت بڑا جادو دکھایا. (اس وقت) ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ تم بھی اپنی لاٹھی ڈال دو۔ وہ فوراً (سانپ بن کر) جادوگروں کے بنائے ہوئے سانپوں کو (ایک ایک کر کے) نگل جائے گی'' (فتح محمد جالندھری)

دوسرے ترجمہ سے لگتا ہے کہ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُون اس جملے کا جزء ہے جو حضرت موسی سے کہا گیا، جب کہ یہ ایک مستقل جملہ ہے، جیسا کہ پہلے ترجمہ میں ہے، کہ ''اس کا عصا پھینکنا تھا کہ آن کی آن میں وہ ان کے اس جھوٹے طلسم کو نگلتا چلا گیا'' البتہ اس دوسرے ترجمہ کی خامی یہ ہے کہ تلقف جو کہ فعل مضارع ہے اس کا ترجمہ ماضی سے کیا گیا، اس کے بجائے اس کا ترجمہ حال یہ ماضی مستمر سے ہوگا، یعنی نگلتا جا رہا ہے، یا نگلتا جا رہا تھا۔ نہ کہ مستقبل سے کیا جائے گا جیسا کہ پہلے ترجمہ میں کیا گیا)

(۳) فَلَمَّا جَاء السَّحَرَةُ قَالَ لَهُم مُّوسَى أَلْقُواْ مَا أَنتُم مُّلْقُونَ۔ فَلَمَّا أَلْقَواْ قَالَ مُوسَى مَا جِئْتُم بِهِ السِّحْرُ۔ (یونس:۸۰،۸۱)

''جب جادوگر آ گئے تو موسی نے ان سے کہا جو کچھ تمہیں پھینکنا ہے پھینکو۔ پھر جب انہوں نے اپنے انچھر پھینک دیے، تو موسی نے کہا یہ جو کچھ تم نے پھینکا ہے یہ جادو ہے'' (سید مودودی)

''پھر جب آئے جادوگر کہا ان کو موسی نے ڈالو جو تم ڈالتے ہو پھر جب انہوں نے ڈالا موسی بولا کہ جو تم لائے ہو سو جادو ہے'' (شاہ عبدالقادر)

(۴) وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَا مُوسَى۔ قَالَ هِيَ عَصَايَ أَتَوَكَّأُ عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلَى غَنَمِي وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرَى۔ قَالَ أَلْقِهَا يَا مُوسَى۔ فَأَلْقَاهَا فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعَى۔ (طہ:۱۷-۲۰)

''اور اے موسی یہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟ موسی نے جواب دیا یہ میری لاٹھی ہے، اس پر ٹیک لگا کر

چلتا ہوں، اس سے اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں، اور بھی بہت سے کام ہیں جو اس سے لیتا ہوں ۔فرمایا پھینک دے اس کو موسی ۔ اس نے پھینک دیا اور یکا یک وہ ایک سانپ تھی جو دوڑ رہا تھا۔ (سید مودودی، اس پر ٹیک لگا کر چلتا ہوں'' کے بجائے کہنا چاہئے ''اس کا سہارا لیتا ہوں'' کیونکہ الفاظ میں صرف ٹیکنے کی بات ہے چلنے کی بات نہیں ہے، سہارا لینے کی ضرورت کھڑے رہنے کے لئے بھی ہوسکتی ہے، اور بھی کام ہوسکتے ہیں، جیسا کہ بعد میں ذکر ہے)

''اور یہ کیا ہے تیرے داہنے ہاتھ میں اے موسی ۔ بولا یہ میری لاٹھی ہے اس پر ٹیکتا ہوں اور پتے جھاڑتا ہوں اس سے اپنی بکریوں پر اور میرے اس میں کتنے کام ہیں ۔ اور فرمایا ڈال دے اس کو اے موسی ۔ تو اس کو ڈال دیا پھر تب ہی وہ سانپ ہے دوڑتا ۔ (شاہ عبدالقادر، دونوں ترجموں میں ایک توجہ طلب بات یہ ہے کہ غَنَمِی کا ترجمہ بکریوں کے بجائے بھیڑ بکریوں کرنا چاہئے)

(۵) قَالُوا يَا مُوسَى إِمَّا أَن تُلْقِيَ وَإِمَّا أَن نَّكُونَ أَوَّلَ مَنْ أَلْقَى ۔ قَالَ بَلْ أَلْقُوا فَإِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِن سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعَى ۔ فَأَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةً مُّوسَى ۔ قُلْنَا لَا تَخَفْ إِنَّكَ أَنتَ الْأَعْلَى ۔ وَأَلْقِ مَا فِي يَمِينِكَ ۔ (طہ:۶۵-۶۹)

''جادوگر بولے موسی تم پھینکتے ہو یا پہلے ہم پھینکیں؟ ۔ موسی نے کہا نہیں تم ہی پھینکو ۔ یکا یک ان کی رسیاں اور ان کی لاٹھیاں ان کے جادو کے زور سے موسی کو دوڑتی ہوئی محسوس ہونے لگیں، اور موسی اپنے دل میں ڈر گیا ۔ ہم نے کہا مت ڈرو، تو ہی غالب رہے گا ۔ پھینک جو کچھ تیرے ہاتھ میں ہے'' (سید مودودی)

''بولے اے موسی یا تو ڈال اور یا ہم ہوں پہلے ڈالنے والے ۔ کہا نہیں تم ڈالو ۔ پھر تب ہی ان کی رسیاں اور لاٹھیاں اس کے خیال میں آئیں ان کے جادو سے کہ دوڑتے ہیں ۔ پھر پانے لگا اپنے جی میں ڈر موسی ۔ ہم نے کہا تو نہ ڈر، مقرر تو ہی رہے گا اوپر ۔ اور ڈال جو تیرے داہنے میں ہے'' (شاہ عبدالقادر)

(۶) قَالَ لَهُم مُّوسَى أَلْقُوا مَا أَنتُم مُّلْقُونَ ۔ فَأَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ إِنَّا لَنَحْنُ الْغَالِبُونَ ۔ فَأَلْقَى مُوسَى عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ ۔ (الشعراء: ۴۳-۴۵)

''موسی نے کہا پھینکو جو تمہیں پھینکنا ہے ۔ انہوں نے فورا اپنی رسیاں اور لاٹھیاں پھینک دیں اور بولے فرعون کے اقبال سے ہم ہی غالب رہیں گے ۔ پھر موسی نے اپنا عصا پھینکا تو یکا یک وہ ان کے

جھوٹے کرشموں کو ہڑپ کرتا چلا جا رہا تھا‘‘ (سید مودودی)

’’کہا ان کو موسی نے ڈالو جو تم ڈالنے آئے ہو۔ پھر ڈالیں انہوں نے اپنی رسیاں اور اپنی لاٹھیاں اور بولے فرعون کے اقبال سے ہم ہی زبر رہے۔ پھر ڈالا موسی نے اپنا عصا پھر تبھی وہ نگلنے لگا جو سانگ انہوں نے بنایا تھا‘‘ (شاہ عبدالقادر)

(۷) إِذَا أُلْقُوا فِيهَا سَمِعُوا لَهَا شَهِيقاً وَهِيَ تَفُورُ۔ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ كُلَّمَا أُلْقِيَ فِيهَا فَوْجٌ سَأَلَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ۔ (الملک:۷،۸)

’’جب وہ اس میں پھینکے جائیں گے تو اس کے دہاڑنے کی ہولناک آواز سنیں گے۔ اور وہ جوش کھا رہی ہوگی، شدت غضب سے پھٹی جاتی ہوگی۔ ہر بار جب کوئی انبوہ اس میں ڈالا جائے گا، اس کے کارندے ان لوگوں سے پوچھیں گے کیا تمہارے پاس کوئی خبردار کرنے والا نہیں آیا تھا‘‘ (سید مودودی)

’’جب وہ اس میں جھونکے جائیں گے اس کا دہاڑنا سنیں گے اور وہ جوش مارتی ہوگی۔ معلوم ہوگا کہ غصہ سے پھٹی پڑ رہی ہے۔ جب جب ان کی کوئی بھیڑ اس میں جھونکی جائے گی اس کے داروغے ان سے پوچھیں گے کیا تمھارے پاس (اس دن سے) کوئی خبردار کرنے والا نہیں آیا تھا؟‘‘ (امین احسن اصلاحی)

مذکورہ بالا مقامات وہ ہیں جہاں القاء کا ترجمہ پھینکنا کرنے سے مفہوم میں کوئی واضح خرابی پیدا نہیں ہوتی ہے، گوکہ لفظ کی رعایت نہیں ہو پاتی ہے۔

اب آخر میں ہم وہ مقامات ذکر کریں گے، جہاں القاء کا ترجمہ پھینکنا کرنے سے مفہوم میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے۔ جبکہ ڈالنا ترجمہ کرنے سے کسی طرح کی خرابی پیدا نہیں ہوتی ہے، اور مفہوم اچھی طرح اور اچھے پیرائے میں واضح ہو جاتا ہے:

(۱) وَلَمَّا رَجَعَ مُوسَى إِلَى قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفاً قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُونِيْ مِن بَعْدِيَ أَعَجِلْتُمْ أَمْرَ رَبِّكُمْ وَأَلْقَى الألْوَاحَ وَأَخَذَ بِرَأْسِ أَخِيهِ يَجُرُّهُ إِلَيْهِ۔ (الاعراف:۱۵۰)

’’اور جب موسی رنج اور غصہ سے بھرا ہوا اپنی قوم کی طرف لوٹا، بولا تم نے میرے پیچھے میری بہت بری جانشینی کی۔ کیا تم نے خدا کے حکم سے پہلے ہی جلد بازی کر دی؟ اور اس نے تختیاں پھینک دیں اور اپنے بھائی کا سر پکڑ کر اس کو اپنی طرف گھسیٹنے لگا‘‘ (امین احسن اصلاحی)

أَلْقَى الألْوَاح کے کچھ اور ترجمے بھی ذکر کئے جاتے ہیں:

''اور تختیاں پھینک دیں'' (سید مودودی)
''اور ڈال دیں وہ تختیاں'' (شاہ رفیع الدین)
''اور ڈال دیں وہ تختیاں'' (شاہ عبدالقادر)
''اور (جلدی سے) تختیاں ایک طرف رکھیں'' (اشرف علی تھانوی)
''اور جلدی سے تختیاں ایک طرف رکھیں'' (محمد جوناگڑھی)
''اور تختیاں ڈال دیں'' (احمد رضا خان)

یہاں تختیاں پھینک دینے کا ترجمہ بالکل درست نہیں ہے، کسی کی حرکت پر غصہ آجانے پر بھی ایک نبی تختیاں ایک طرف رکھ کر اپنے غصہ کا اظہار کرے یہ تو درست ہے، لیکن تختیاں پھینک دینے کا کوئی جواز نہیں نکلتا ہے، یہ ترجمہ بے محل بھی ہے، اور نامناسب بھی ہے۔ تختیاں رکھ دیں یا ڈال دیں کہیں تو یہ قباحت دور ہوجاتی ہے۔

(۲) أَنِ اقْذِفِيهِ فِي التَّابُوتِ فَاقْذِفِيهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّي وَعَدُوٌّ لَّهُ وَأَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي۔ (طہ:۳۹)

''کہ اس بچے کو صندوق میں رکھ دے اور صندوق کو دریا میں چھوڑ دے، دریا اسے ساحل پر پھینک دے گا اور اسے میرا دشمن اور اس بچے کا دشمن اٹھالے گا۔ میں نے اپنی طرف سے تجھ پر محبت طاری کردی'' (سید مودودی، القاء پھینکنے کے لئے نہیں آتا ہے، اور نہ ہی طاری کرنے کے لئے آتا ہے، تجھ پر محبت طاری کرنے کا مفہوم ہوگا کہ تو محبت کرے، نہ کہ تجھ سے محبت کی جانے لگے، اور یہاں یہ مراد نہیں ہے، بلکہ یہ مراد ہے کہ تجھ سے محبت کی جانے لگے، ترجمہ ہوگا: اور اپنی طرف سے تیری محبت ڈال دی)

''کہ اس بچے کو صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دے تو دریا اسے کنارے پر ڈالے کہ اسے وہ اٹھالے جو میرا دشمن اور اس کا دشمن اور میں نے تجھ پر اپنی طرف کی محبت ڈالی'' (احمد رضا خان)

''کہ تو اسے صندوق میں بند کرکے دریا میں چھوڑ دے، پس دریا اسے کنارے لا ڈالے گا اور میرا اور خود اس کا دشمن اسے لے لے گا اور میں نے اپنی طرف کی خاص محبت و مقبولیت تجھ پر ڈال دی'' (محمد جوناگڑھی)

''(وہ یہ تھا) کہ اسے (یعنی موسیٰ کو) صندوق میں رکھو پھر اس (صندوق) کو دریا میں ڈال دو تو دریا اسے کنارے پر ڈال دے گا (اور) میرا اور اس کا دشمن اسے اٹھالے گا۔ اور (موسیٰ) میں نے تم پر

اپنی طرف سے محبت ڈال دی ہے'' (فتح محمد جالندھری)

اس آیت میں اس کا محل نہیں ہے کہ سمندر صندوق کو ساحل پر پھینک دے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت اختیار کرنا مراد نہیں ہے جس سے بچے کو اذیت پہونچ سکتی ہو، یا اس سے بے اعتنائی کا اظہار ہوتا ہو۔ اس آیت میں رکھنا اور ڈالنا ہی مراد ہے نہ کہ پھینک دینا۔ آخری جملے وَأَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي کا مفہوم یہ نہیں ہے آپ اللہ کے محبوب بن گئے، وہ تو آپ تھے ہی، اور نہ یہ ہے کہ آپ لوگوں سے محبت کرنے لگے، بلکہ یہاں مراد یہ ہے کہ اللہ نے اپنی طرف سے لوگوں کے دلوں میں آپ کی محبت ڈال دی۔ آپ اللہ کے محبوب تو تھے ہی، اللہ نے آپ کو لوگوں کا محبوب بھی بنا دیا۔ اور اس وقت فرعون کے دربار میں اور ملک کے اس ماحول میں بحفاظت نشو ونما کے لئے یہ بہت ضروری انتظام تھا۔

(۳) اذْهَب بِّكِتَابِي هَذَا فَأَلْقِهْ إِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانظُرْ مَاذَا يَرْجِعُونَ۔ (النمل:۲۸)

''میرے اس خط کو لے جا کر انہیں دے دے پھر ان کے پاس سے ہٹ آ، اور دیکھ کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں'' (محمد جونا گڑھی)

''یہ میرا خط لے جا اور اسے ان کی طرف ڈال دے پھر ان کے پاس سے پھر آ اور دیکھ کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں'' (فتح محمد جالندھری)

''میرا یہ خط لے اور اسے ان لوگوں کی طرف ڈال دے، پھر الگ ہٹ کر دیکھ کہ وہ کیا ردعمل ظاہر کرتے ہیں'' (سید مودودی)

(۴) قَالَتْ يَا أَيُّهَا المَلَأُ إِنِّيَ أُلْقِيَ إِلَيَّ كِتَابٌ كَرِيمٌ۔ (النمل:۲۹)

''ملکہ بولی اے اہل دربار، میری طرف ایک بڑا اہم خط پھینکا گیا ہے'' (سید مودودی)

''وہ کہنے لگی اے سردارو میری طرف ایک باوقعت خط ڈالا گیا ہے'' (محمد جونا گڑھی)

''ملکہ نے کہا کہ دربار والو! میری طرف ایک نامہ گرامی ڈالا گیا ہے'' (فتح محمد جالندھری)

مذکورہ بالا دونوں آیتوں میں پھینکنے کا ترجمہ کسی طرح مناسب حال نہیں ہے، نہ تو پرندہ خط پھینکتا ہے، اور نہ باوقعت اور کریم خط کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ میری طرف پھینکا گیا۔

(۵) قَالُوا مَا أَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلَكِنَّا حُمِّلْنَا أَوْزَاراً مِّن زِينَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنَاهَا فَكَذَلِكَ أَلْقَى السَّامِرِيُّ۔ (طٰہ:۸۷)

''انھوں نے جواب دیا کہ ہم نے آپ سے کئے ہوئے عہد کی خلاف ورزی اپنی مرضی سے نہیں کی۔ بلکہ قوم کے زیورات کا بوجھ جو ہمارے حوالہ کیا گیا تھا ہم نے اس کو پھینک دیا اور اس طرح سامری

نے ڈھال کر پیش کر دیا'' (امین احسن اصلاحی، یہاں لفظ ''موعد'' وعدہ وعہد کے لئے نہیں ہے، بلکہ طے کردہ وقت اور جگہ کے لئے ہے، کہ جس وقت جس جگہ پہونچنے کے لئے کہا گیا تھا وہاں نہیں پہونچے)

''بولے ہم نے خلاف نہیں کیا تیرا وعدہ اپنے اختیار سے ولیکن اٹھا لئے ہم نے بوجھ گہنے سے اس قوم کے گہنے کے سو ہم نے وہ پھینک دیئے پھر یہ نقشہ ڈالا سامری نے'' (شاہ عبدالقادر)

''وہ کہنے لگے ہم نے جو آپ سے وعدہ کیا تھا اس کو اپنے اختیار سے خلاف نہیں کیا ولیکن قوم (قبط) کے زیور میں سے ہم پر بوجھ لدر ہا تھا سو ہم نے اس کو (سامری کے کہنے سے آگ میں) ڈال دیا پھر اسی طرح سامری نے (بھی) ڈال دیا'' (اشرف علی تھانوی)

''انہوں نے جواب دیا ہم نے آپ سے وعدہ خلافی کچھ اپنے اختیار سے نہیں کی، معاملہ یہ ہوا کہ لوگوں کے زیورات کے بوجھ سے ہم لد گئے تھے اور ہم نے بس ان کو پھینک دیا تھا۔ پھر اسی طرح سامری نے بھی کچھ ڈالا'' (سید مودودی)

''وہ کہنے لگے کہ ہم نے اپنے اختیار سے تم سے وعدہ خلاف نہیں کیا۔ بلکہ ہم لوگوں کے زیوروں کا بوجھ اٹھائے ہوئے تھے۔ پھر ہم نے اس کو (آگ میں) ڈال دیا اور اسی طرح سامری نے ڈال دیا'' (فتح محمد جالندھری)

اس آیت میں فَكَذَٰلِكَ أَلْقَى السَّامِرِيُّ کے مختلف مطلب لئے گیا ہیں، مولانا امانت اللہ اصلاحی کی رائے ہے کہ سامری نے کچھ نہیں ڈالا، اور یہاں اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے جو کچھ کیا وہ سامری کے بھانے پر کیا، وہ ترجمہ کرتے ہیں:

''انھوں نے جواب دیا کہ ہم نے آپ کے مقرر کئے ہوئے وقت کی خلاف ورزی اپنے اختیار سے نہیں کی۔ بلکہ قوم کے زیورات کا بوجھ جو ہمارے حوالہ کیا گیا تھا ہم نے اس کو ڈال دیا اور اس طرح سامری نے بھایا'' (امانت اللہ اصلاحی)

(۱۰۹) ألقی ساجدا کا ترجمہ

قرآن مجید میں جادوگروں کے سجدے میں جانے کا تذکرہ تین مقامات پر ہے، تینوں جگہ اس مفہوم کے لیے ألقي فعل مجہول کے صیغے میں استعمال ہوا ہے۔ مفسرین کے ذہن میں بھی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جادوگر تو اپنی مرضی سے سجدے میں گئے تھے، پھر یہ فعل اور یہ صیغہ کیوں استعمال ہوا؟ اس کی مختلف توجیہیں بھی ملتی ہیں، ترجمہ کرنے والوں میں سے بعض لوگوں نے سب جگہ ڈالے گئے ترجمہ کیا، بعض لوگوں نے تینوں جگہ گر گئے ترجمہ کیا، جبکہ بعض لوگوں نے کہیں یہ ترجمہ کیا اور کہیں وہ

ترجمہ کیا۔

(۱) وَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سَاجِدِيْنَ۔ (الاعراف:۱۲۰)

''اور ڈالے گئے جادوگر سجدے میں'' (شاہ رفیع الدین)

''اور ڈالے گئے ساحر سجدے میں'' (شاہ عبدالقادر)

''اور جادوگر سجدے میں گرادئے گئے'' (احمد رضا خان)

''اور وہ جو ساحر تھے سجدہ میں گر گئے'' (اشرف علی تھانوی)

''اور وہ جو ساحر تھے سجدہ میں گر گئے'' (محمد جوناگڑھی)

''اور جادوگروں کا حال یہ ہوا کہ گویا کسی چیز نے اندر سے انہیں سجدے میں گرادیا'' (سید مودودی)

''اور ساحر سجدے میں گر پڑے'' (امین احسن اصلاحی)

''(یہ کیفیت دیکھ کر) جادوگر سجدے میں گر پڑے'' (فتح محمد جالندھری)

(۲) فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّداً۔ (طہٰ:۷۰)

''پس ڈالے گئے جادوگر سجدہ کرتے ہوئے'' (شاہ رفیع الدین)

''پھر گر پڑے جادوگر سجدہ میں'' (شاہ عبدالقادر)

''تو سب جادوگر سجدے میں گرادئے گئے'' (احمد رضا خان)

''سو جادوگر سجدہ میں گر گئے'' (اشرف علی تھانوی)

''اب تو تمام جادوگر سجدے میں گر پڑے'' (محمد جوناگڑھی)

''تو جادوگر سجدے میں گر پڑے'' (امین احسن اصلاحی)

''آخر کو یہی ہوا کہ سارے جادوگر سجدے میں گرادئے گئے'' (سید مودودی)

''(القصہ یوں ہی ہوا) تو جادوگر سجدے میں گر پڑے'' (فتح محمد جالندھری)

(۳) فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سَاجِدِيْن۔ (الشعراء:۴۶)

''پس ڈالے گئے جادوگر سجدہ کرتے ہوئے'' (شاہ رفیع الدین)

''پھر اوندھے گرے جادوگر سجدے میں'' (شاہ عبدالقادر)

''اب سجدے میں گرے جادوگر'' (احمد رضا خان)

''یہ دیکھتے ہی جادوگر بے اختیار سجدے میں گر گئے'' (محمد جوناگڑھی)

''تو ساحر بے تحاشا سجدے میں گر پڑے'' (امین احسن اصلاحی، بے تحاشا کا محل نہیں ہے)
''اس پر سارے جادوگر بے اختیار سجدے میں گر پڑے'' (سید مودودی)
''تب جادوگر سجدے میں گر پڑے'' (فتح محمد جالندھری)

عربی زبان کے لحاظ سے مناسب اور اردو محاورے کے لحاظ سے فصیح ترجمہ گرادئے جانے کا نہیں بلکہ گر پڑنے کا ہوگا۔ صورت واقعہ بھی اسی پر دلالت کرتی ہے، جن لوگوں نے گرادئے جانے کا ترجمہ کیا ہے، انہوں نے یہ دیکھا کہ فعل مجہول استعمال ہوا ہے، لیکن یہ ایک اسلوب ہے، اس کا ترجمہ معروف لازم ہی کا ہوگا، دراصل ألـقي یہاں ویسے ہی استعمال ہوا ہے جس طرح تـوفي مجہول استعمال ہوتا ہے، تاج العروس میں ہے تُوفِّيَ فلانٌ: اِذا ماتَ . توفي کا ترجمہ یہ نہیں کیا جاتا کہ اس کو وفات دی گئی، بلکہ یہ ہوتا کہ اس نے وفات پائی۔ تینوں آیتوں کا مناسب ترجمہ ہے جادوگر سجدے میں گر پڑے۔ اس اسلوب کی اور بھی مثالیں مل سکتی ہیں۔

علامہ ابن عاشور نے توجیہ یہ کی ہے کہ یہ تعبیر بے اختیار تیزی سے گر پڑنے کے لئے استعمال ہوتی ہے، اور چونکہ انہوں نے خود اپنے آپ کو سجدے میں گرایا تھا، اس لیے ألـــقـــي مجہول استعمال ہوا۔ والإلـقـاءُ: مستعملٌ فی سُرعةِ الهُويِّ الی الأرضِ، أي: لَم يتمالكوا أن سجدوا بدون تريث ولا تـرددٍ۔ وبُـنِـيَ فـعـلُ الالـقـاءِ للمجهولِ لظهور الفاعلِ، وهو أنفسُهم، والتقديرُ: وألقوا أنفسهم على الأرض۔ (التحرير والتنوير:۹/۵۲)

قارئین متوجہ ہوں

ماہنامہ جریدہ حیات نو کا دورانیہ تبدیل ہونے کے سبب دو مستقل کالم ''**ہمارے زمانے کا جامعہ**'' اور ''**فکر و آگہی**'' اس شمارے میں شامل اشاعت نہیں ہو سکے ہیں۔ آئندہ شماروں میں ''فکر و آگہی'' کالم کے موضوعات کچھ اس طرح ہوں گے:

(۱) ملت کی تعلیمی ترقی۔ طریقہ کار کیا ہو؟	ماہ مئی
(۲) ملت کا معاشی استحکام۔ عملی تدابیر	ماہ جون
(۳) ملت کا اجتماعی شعور کیسے بیدار ہو؟	ماہ جولائی
(۴) ملت میں مذہبی بیداری کیسے لائی جائے؟	ماہ اگست

علی عزت بیگوچ کے تہذیبی افکار

ضمیر الحسن خاں فلاحی، علی گڑھ، موبائیل نمبر:07417449612

علی جاہ عزت بیگوچ ایک معروف بوسنیائی مسلم مفکر، ماہر سیاست داں، اچھے قانون داں، بلند پایہ مصنف ہیں۔ ۱۹۹۰ء میں بوسنیا کے پہلے صدر منتخب ہوئے۔ بیگوچ ۱۹۲۵ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹/اکتوبر ۲۰۰۳ء میں انتقال ہوا(.WWW.Wikpedia.org)۔ یوں تو ان کی متعدد تصنیفات ہیں مگر ان میں سے بعض کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ جن کتابوں کو قبول عام حاصل ہے ان میں Islam Between East and West اور Islamic Declaration خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ زیر نظر سطور میں ان ہی کتابوں کی روشنی میں بیگوچ کے تہذیبی افکار کا مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ انسان بنیادی طور پر ایک زندہ روحانی حقیقت ہے کیونکہ وہ خدا کی تخلیق کا شاہ کار ہے، اگر خدا کا وجود نہ ہوتا تو انسان بھی وجود میں نہ آتا اور اگر انسان نہ ہوتا تو تہذیب بھی وجود پذیر نہ ہوتی۔ اس لیے یہ خیال صحیح نہیں ہوسکتا کہ انسان ایک حیاتیاتی تسلسل اور معاشرتی عمل کا نام ہے۔

آج تہذیبوں کے درمیان جو کشمکش اور تصادم نظر آتا ہے وہ دراصل دماغ اور ضمیر، فطرت اور انسان یا سائنس اور مذہب کے درمیان تصادم ہے۔ اس لیے یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ اصولی طور پر تہذیب مذہب سے اور تمدن الحاد سے تعلق رکھتا ہے۔ (علی عزت بیگوچ، اسلام اور مشرق ومغرب کی تہذیبی کشمکش۔ ترجمہ ایوب منیر، ص ۲۶۔ ۱۹۹۷ء)

پھر یہ بات بھی طے ہے کہ اس تصادم وکشمکش کو صرف اسلام ہی ختم کرسکتا ہے کیونکہ جس طرح انسان جسم اور روح کا مرکب ہے اسی طرح اسلام بھی مذہب اور معاشرت کا مجموعہ ہے، نماز ادا کرتے ہوئے جس طرح جسم وروح یک جان ہوجاتے ہیں اسی طرح اسلام کے معاشرتی نظام میں مذہب اور اخلاق یک جان ہوسکتے ہیں۔ نہ ہو پانے کا سبب یہ ہے کہ نظام معاشرت اور مذہب کے درمیان جو ہم آہنگی ہے، دنیا کے نظام اس سے نابلد ہیں اور مذہب اسلام کا پہلا امتیاز ہی یہ ہے کہ اس نے دنیا کو یکجا

کر دیا ہے۔ وہ انسان کی تہذیبی، ثقافتی، تمدنی، فنی اور تخلیقی اہلیت کو تسلیم کرتا ہے جسے بہر حال تسلیم کیا جانا چاہیے۔

''وابتغ فیما آتاك الله الدارالآخرة ولا تنس نصیبك من الدنیا''(القصص۔۷۷)

ترجمہ:''اوراللہ نے جو کچھ عطا کیا ہے، اس سے آخرت کا گھر کا بنانے کی فکر کر اور دنیا میں سے بھی اپنا حصہ فراموش نہ کر۔''

اس آیت کریمہ میں بھی شاید اسی حقیقت کو تسلیم کیا گیا ہے۔

بیگوچ کے خیال میں مذہب تہذیب کا لازمی عنصر ہے چنانچہ وہ اپنی مشہور کتاب "Islam Between East and West"(اسلام اور مشرق ومغرب کی تہذیبی کشمکش) میں لکھتے ہیں:

''دنیا کے بارے میں جامع نظریات صرف تین ہیں:

(۱) نظریہ مذہب

(۲) نظریہ مادہ پرستی

(۳) نظریہ اسلام۔

از منۂ قدیم سے آج تک جتنے افکار ونظریات اور فلسفے ظاہر ہوئے، ان کا شمار ان تینوں میں سے کسی ایک کے ساتھ ضرور تسلیم کیا گیا ہے۔(اسلام اور مشرق ومغرب کی تہذیبی کشمکش، ص۳۰)

آگے مزید لکھتے ہیں:

''اہل مذہب روح کو نقطہ آغاز قرار دیتے ہیں جبکہ مادہ پرست، مادہ کو نقطہ آغاز مانتے ہیں حالانکہ اسلام روح اور مادہ کے بیک وقت ظہور کو نقطہ آغاز قرار دیتا ہے، روح اور مادہ کے اشتراک کا نام اسلام ہے اور اس کا سب سے بڑا مظہر انسان ہے کیونکہ انسانی زندگی اسی وقت مکمل ہوتی ہے جب روحانی اور جسمانی دونوں ضروریات کو پیش نظر رکھا جائے''۔(اسلام اور مشرق ومغرب کی تہذیبی کشمکش، ص۳۱)

فی زمانہ دنیا، خاص طور سے اہل یورپ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ مذہب ترقی کا مخالف ہے اور اس راستہ کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ علی عزت بیگوچ اس عام غلط فہمی کو دور کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''نہ تو کوئی مذہب سے الگ رہ سکتا ہے اور نہ سائنس ہی مذہب سے بے گانہ رہ سکتی ہے۔ کسی ایسے مذہب کی نشاندہی نہیں کی جا سکتی جس میں سائنس کے حوالہ سے کوئی نہ کوئی ذکر نہ ہو، نہ ہی ایسی سائنس کا وجود ممکن ہے جس میں مذہب کا ذکر نہ ہو۔ دونوں مل کر ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں۔(اسلام اور

مشرق ومغرب کی تہذیبی کشمکش، ص۳۲)

دنیا میں ہر نظریہ کا آغاز اس سوال سے ہوتا ہے کہ انسان کی تخلیق کیسے ہوئی؟ جب کبھی یہ مسئلہ زیر بحث آتا ہے کہ انسان کو زندگی کیسے گذارنی چاہیے تو پہلا سوال یہ سامنے آتا ہے کہ اس کی تخلیق کیسے ہوئی؟ حقیقت یہ ہے کہ اس سوال کا جواب ہی دراصل تہذیب کی حقیقت ہے، جیسا کہ بیگوچ تہذیب کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''تہذیب سے مراد مذہب کے انسان پر اثرات یا انسان کے اپنی ذات پر اثرات ہوتے ہیں۔ تہذیب کا مطلب ہے ''انسان ہونے کا فن'' جبکہ تمدن زمانہ کے ہمہ وقت تبدیل ہوتے ہوئے عمل کا نام ہے۔ تمدن روحانی نہیں بلکہ تکنیکی زندگی کے تسلسل کو کہتے ہیں۔ اس کے برعکس تہذیب انسانی آزادی، ہمہ وقت موجود جذبۂ انتخاب اور اس کے اظہار کا نام ہے۔'' (ایضاً، ص۹۹،۱۰۰)

موجودہ تمدن کا اصول یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ منافع حاصل کرو اور اس منافع کو فضول خرچی (اسراف) میں استعمال کرو۔ اس سے نئی نئی ضروریات پیدا ہوتی جاتی ہیں اور محروم لوگوں کی محرومیوں میں اضافہ کا سبب بنتا جاتا ہے۔ اس کے برخلاف تہذیب انسانی ضروریات کو کم سے کم کرتی ہے یا ان کی فراہمی پر حد مقرر کرتی ہے، اس طرح انسان کو ایک حد کے اندر رکھ کر انسانی مرتبہ پر فائز کرتی ہے۔ علی عزت بیگوچ کے بقول:

''انسان تہذیب کا علمبردار ہے جبکہ معاشرہ تمدن کا علمبردار ہوتا ہے۔ تہذیب سے مراد ذاتی قوت وتربیت ہے جو نشوونما سے حاصل ہوتی ہے۔ اس سے مراد سائنس کے ذریعہ فطرت پر کنٹرول بھی ہے۔ تہذیب کا دائرہ کار فکر، زبان اور تحریر ہے۔ تہذیب کا تمدن سے وہی تعلق ہے جو ماضی کی شہنشاہیت کا موجودہ دنیا سے ہے۔'' (ایضاً، ص۱۰۲)

تہذیب وتمدن کا فرق واضح کرتے ہوئے موصوف لکھتے ہیں:

''تمدن علم پھیلانے اور تہذیب روشنی وشعور کا نام ہے۔ پہلے کے لیے سیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے اور دوسرے کے لیے غور وفکر کی۔ اپنے آپ کو جاننے اور دنیا میں اپنا مقام متعین کرنے کے لیے غور وفکر کی ضرورت پڑتی ہے۔ تدبر واستغراق دانائی، شائستگی، ذہنی سکون اور اندرونی تزکیہ کی طرف لے جاتا ہے۔ یہ تو اپنے آپ میں ڈوب جانے، اسرار حیات معلوم کرنے اور مذہبی اخلاقی اور جمالیاتی حقائق جاننے کی تڑپ کا نام ہے۔'' (ایضاً، ص۱۰۳)

غالباً یہی وجہ ہے کہ ہمارے تعلیمی ادارے، تمدن کو تو پروان چڑھا رہے ہیں مگر تہذیب کو پروان

چڑھانے کے سلسلہ میں وہ کوئی کردارادانہیں کر پارہے ہیں۔یہی نہیں بلکہ مشاہدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح متمدن اقوام نے غیر منصفانہ، غیر عادلانہ، پرتشدداورظلم وستم سے بھرپورجنگیں صرف اس لیے لڑیں کہ تعلیم یافتہ اور کم ترقی یافتہ لوگوں کی اینٹ سے اینٹ بجادیں۔ وہ لوگ جو دوسرے ممالک پر دست درازی کرتے ہیں،اعلیٰ تعلیم نہ ان کے ہاتھوں کوروکتی ہے، نہ ان کے قدموں کوسست کرتی ہے بلکہ ان کے ظلم وستم اور جارحیت میں الٹے ان کی معاونت کرتی ہے۔علم کی اعلیٰ ڈگریاں، زیردستوں کے خلاف ان کا ہتھیار بن جاتی ہیں اوران کی مدد سے وہ دوسروں کوزیرکرنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔ بیگوچ نے اس حوالہ سے امریکہ اور برطانیہ کی مثال دی ہےاور کہا ہے کہ:

''امریکہ اور برطانیہ دنیا کی دوبڑی سائنسی طاقتیں ہیں لیکن یہ دونوں دنیا کے سب سے بڑے تہذیبی ممالک ہرگزنہیں ہیں۔'' (ایضاً،ص۱۱۰)

لینن کے نزدیک تعلیم کا اولین مقصد ہی یہ ہے کہ درمیانے طبقہ کوختم کردیا جائے،اس کے خیال میں سیاست سے باہرکوئی اسکول نہیں ہے۔(ایضاً،ص ۱۱۱) ظاہر ہے ایسی تعلیم اور تعلیمی اداروں سے انسانی معاشرہ کوسکون واطمینان میسرنہیں آسکتا ہے، نہ وہ ترقی کرسکتے ہیں۔بیگوچ اس تمدن کے شدید مخالف ہیں اوراس سے بہرصورت نجات چاہتے ہیں۔وہ لکھتے ہیں:

''یہ ناممکن ہے کہ موجودہ مادی تمدن کوچھوڑے بغیر آج کے مصائب کا مقابلہ کیا جاسکے۔حقیقی انسانی تمدن جن اقدار سے متعارف ہے ان میں سے کوئی بھی عریانی اور الکحل کے استعمال کی اجازت نہیں دیتی۔حقیقت یہ ہے کہ سماجی برائیوں کا فروغ اخلاق سے عاری اوراعلیٰ انسانی اقدارکونظرانداز کردینے والے تمدن کا عطیہ ہے۔اس تمدن کوراہ راست پرلانے کا ایک ہی ذریعہ ہےاوروہ ہے عقل وشعور سے مزین تہذیب۔'' (ایضاً،ص۱۳۶)

فاضل محقق نے اس ضمن میں اسلام کے نظام عبادت پرقدرے تفصیل سے گفتگو کی ہےاور بتایا ہے کہ اسلامی تہذیب دنیا کوکس طرز پر چلانا چاہتی ہے۔موصوف طریقہ نماز کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:

''وضو کے بغیر نماز بےمعنی ہے جبکہ عیسائیت اور ہندو مذہب کے کئی سلسلوں میں پاک ترین عبادت ''مقدس ناپاکی'' کے ذریعہ ہی انجام دی جاسکتی ہے۔وضواوراس کے اعمال،نمازکوایک عبادت ہی نہیں بلکہ ایک منظّم عمل اورحفظان صحت کا ایک جامع اصول بنادیتے ہیں۔جنگ قادسیہ کے موقع پر ایک ایرانی سپاہی نے مسلم مجاہدین کی صلوۃ کی صف بندی دیکھی تو اپنے افسر سے جا کرکہا ''مسلمانوں کی فوج کوجا کردیکھووہ کس شاندارانداز میں فوجی مشقیں کرتے ہیں۔'' (ایضاً،ص ۲۷۵)

اس سے معلوم ہوا کہ نماز یک رخی عبادت نہیں ہے۔ وضو نہ صرف ایک صحت بخش عمل ہے بلکہ نیکی بھی ہے۔ یہ اسلام کا اعزاز ہے کہ وہ جسمانی نظافت وطہارت کو بھی ایمان وعقیدہ کا جزو بنا دیتا ہے۔ قرآن مجید کہتا ہے: ''اللہ ان لوگوں کو محبوب رکھتا ہے جو بدی سے باز رہیں اور پاکیزگی اختیار کریں۔''

غربت صرف آج کے معاشرہ کا ہی سنگین مسئلہ نہیں بلکہ ہر زمانہ کا مسئلہ رہی ہے اور ساتھ ہی ساتھ یہ ایک گناہ بھی ہے کہ بھوک میں ایمان کا ڈگمگانا فطری ہے۔ اسلام کا نظام زکوۃ اسی مسئلہ کا حل اور اسی گناہ سے بچنے کی کارگر تدبیر ہے۔ علی عزت بیگوچ کی نظر میں:

''زکوۃ کا عمل بھی یک رخا نہیں ہے، بخل نہ صرف معاشرتی برائی ہے بلکہ مال کی محبت کا یہ فتنہ روح تک سرایت کر جاتا ہے۔ محرومی اس کا ظاہر اور گناہ اس کا اندرون ہے۔'' (ایضاً، ص۲۷۹)

اسلام کی یہ پوزیشن اس کے پورے نظام عبادات اور دیگر ذریعوں سے ثابت ہوتی ہے مثال کے طور پر: جھوٹی قسم کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے وہ کھانا جو تم خود کھاتے ہو، یا انہیں کپڑا پہنا ؤ یا ایک غلام آزاد کرو اور جو اس کی قدرت نہ رکھتا ہو تین دن کے روزے رکھے۔ (المائدہ: ۸۹) سورہ شوریٰ میں فرمایا: ''برائی کے بدلہ برائی ہے لیکن جو کوئی معاف کردے اور صلح کرلے تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔'' (الشوریٰ: ۴۰) یہ اور اس طرح کی آیات سے استدلال کرکے بیگوچ نے یہ ثابت کیا ہے کہ اسلام اور تہذیب اسلامی مفید سماجی اعمال کو بھی عبادت قرار دیتی ہے بلکہ خالصتاً روحانی اعمال پر انہیں فوقیت دیتی ہے۔ (ایضاً، ص۲۸۵)

الغرض علی جاہ عزت بیگوچ کی نظر میں اسلام ایک مکمل دین اور مستقل تہذیب ہے۔ وہ یہ بھی دعوی کرتے ہیں کہ دیگر تہذیبوں کے پاس انسانوں کو دینے کے لیے کچھ نہیں ہے۔ ان کا ماننا ہے کہ ایک شخص جس نے اسلام کو تسلیم کرلیا کسی اور آئیڈیل کے لیے جینے اور مرنے سے عاجز ہے۔ ایک مسلمان کسی بادشاہ یا حکمراں کے بجائے صرف اللہ کے نام اور اس کے دین کی سربلندی کے لیے ہی اپنی جان نچھاور کرسکتا ہے۔ (The Islamic Declaration. p.6)

●❖●

ایک اہم علمی خط

گزشتہ شمارے میں محترمی ومکرمی جناب رضوان احمد فلاحی صاحب (لندن) کے مرتب کردہ خطوط بعنوان ''مشاہیر کے خطوط۔ مولانا جلیل احسن ندویؒ کے نام'' کی پہلی قسط شائع کی گئی تھی، اس کی اگلی قسطیں آئندہ شماروں میں ملاحظہ فرمائیں۔
ذیل میں ماہر قرآنیات مولانا محمد امانت اللہ اصلاحی صاحب (حفظہ اللہ ورعاہ) کا ایک اہم اور علمی خط بنام ماہر اقتصادیاتِ اسلامی ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی صاحب (حفظہ اللہ ورعاہ) شامل اشاعت کیا جارہا ہے۔
توفیق خداوندی شامل حال رہی تو اس کالم کے تحت آئندہ بھی اہم اور نایاب خطوط کی اشاعت کا اہتمام کیا جاتا رہے گا۔ **(مدیر)**

باسمہ وبحمدہ

برادر محترم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

گرامی نامہ پرسوں موصول ہوا۔ مجھے خوشی ہے کہ آپ نے مجھے ایک ایسی خدمت سپرد کی جس کا انجام دینا میرے لیے بہ آسانی ممکن تھا۔ اور اس طرح آپ کے کارِ خیر میں میں بھی تھوڑا سا شریک ہوگیا۔

معالم فی الطریق آج حوالہ ڈاک کردی ہے۔ بعض اصحاب سے ربط قائم کرنے میں کچھ تاخیر ہوگئی ورنہ شاید کل ہی روانہ ہوگئی ہوتی۔ خیال تھا کہ شاید بعض اخوانی حضرات اس سلسلہ میں کسی اور مفید مطلب کتاب کی نشاندہی کرسکیں۔ لیکن معلوم ہوا کہ ان کے حالات کے سلسلہ میں ابھی اور کوئی کتاب منظر عام پر نہیں آئی ہے۔ میرے پاس بعض پمفلٹ ہیں جن میں اخوان پر مظالم کی داستان اور مصری سیاست سے متعلق کچھ چیزیں

ضرور ہیں لیکن ان میں براہ راست سید قطب سے متعلق کوئی چیز نہیں نظر سے گزری۔اس لیے میں نے انہیں بھیجنے کی ضرورت نہیں محسوس کی۔ان کے بھیجنے میں شاید کچھ دشواری بھی پیش آتی ویسے اگر آپ دیکھنا چاہیں تو ان میں سے بعض عنایت اللہ(۱) سے اور بعض سلامت اللہ(مدرسۃ الاصلاح)(۲) سے مل سکتی ہیں۔

ان کتابوں کے نام یہ ہیں۔

۱۔ حقائق عن الحكم والمحاكمات فی مصر، صفحه ١١٢

۲۔ نافذة على الجحيم صفحه ١٥٠

۳۔موامرة ضد الاسلام فی مصر صفحه ١١٤

۴۔ وثيقة خطيرة تفضح مخطط الناصرية لابادة الحركة الاسلامية فی مصر صفحه ٣٢

معالم فی الطریق مولانا جلیل احسن صاحب(۳) کے پاس بھی موجود ہے اگر خدانخواستہ مرسلہ رجسٹری پیکٹ ڈاک سنسر کی نذر ہوجائے تو آپ موصوف سے حاصل کر سکتے ہیں۔یہاں ایک مصری بزرگ نے سید(۴) کے حالات پر ایک مضمون لکھا ہے فل اسکیپ سائز پر سات صفحے کا ہے۔ابھی اس پر نظر ثانی باقی ہے۔دس پندرہ روز کے اندر اندر انہوں نے مکمل کر دینے کا وعدہ کیا ہے ممکن ہے اس میں آپ کو کوئی مفید مطلب بات مل جائے۔میں نے بس ابتدائی چند سطریں دیکھی تھیں۔

یہ بات تو آپ کے علم میں ہوگی کہ **العدالة الاجتماعية** کے بعد والے اڈیشن سے حضرت عثمانؓ وغیرہ سے متعلق جو قابل اعتراض چیزیں تھیں وہ حذف کر دی گئی ہیں، یہ جز ترجمہ(۵) سے بھی حذف کر دیا ہوگا۔

میں بحمد اللہ بخیر ہوں۔یہاں صحت کچھ بہتر ہے۔پھر بھی چونکہ قوت مطالعہ بہت کم ہے اس لیے میں نے اپنی تمام دلچسپیوں کو قرآن وحدیث اوران کے قریبی متعلقات تک محدود کر رکھا ہے۔تحریر وانشاء کا بھی کوئی کام نہیں کر رہا ہوں۔آپ کی کتاب غیرسودی نظام بنک کاری اور شرکت ومضاربت کے شرعی اصول کی تکمیل کی خبر باعث مسرت ہے۔اللہ تعالی آپ کی اس کوشش کو قبول فرمائے اور زیادہ سے زیادہ مفید بنائے۔یہاں میرا دائرہ تعارف بہت ہی محدود ہے۔بعض اشخاص یہاں ایسے ضرور ہیں جن کے تبحر علمی اور

وسعت مطالعہ وکثرت استحضار کا چرچا ہے لیکن میرے علم میں کوئی ایسی شخصیت نہیں ہے جسے جدید موضوعات سے دلچسپی ہو اور ان پر نظر ہو۔

پچھلے دنوں ترجمان میں قرض دینے والے کے لیے زکوۃ کی تخفیف کے سلسلہ میں سوال و جواب نظر سے گزرا، معاً خیال آیا کہ یہ سوال آپ ہی کی طرف سے ہوگا۔ معلوم نہیں جواب نے آپ کو کس حد تک مطمئن کیا اور آپ اس موضوع پر کس نقطہ سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ آپ کے نزدیک جو رائے بھی قابل ترجیح ہو میری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ اس کا فیصلہ اس بات پر منحصر ہے کہ اس نظام کو اپنانے والے فقہ میں کس مکتب فکر کو مانتے ہیں۔ جب ائمہ میں قرض کی زکوۃ کے سلسلہ میں اختلاف پایا جاتا ہے تو اس مخصوص قرض کے سلسلہ میں بھی لوگ اپنے اپنے مسلک کی رعایت کریں گے۔ یہ بات اور ہے کہ آپ اصل مسئلہ ہی میں کسی خاص رائے کو پیش کرنا چاہتے ہوں۔ ایسی صورت میں آپ کو تفصیلی بحث کرنی پڑے گی۔

میرے خیال میں مضاربت والی کتاب کا عربی ترجمہ نسبتاً آسان ہوگا اگرچہ میں نے خود بھی اس وادی میں قدم نہیں رکھا اور نہ یہاں اردو داں ساتھیوں میں کوئی اور صاحب اس طرح کا ذوق رکھنے والے نظر آتے ہیں، پھر بھی کتاب تو دیکھنے کو ملے ہی گی۔ میرے لائق اور کوئی خدمت؟

والسلام

طالب دعا

امانت اللہ

جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

۲۵ ستمبر ۱۹۶۷ء

---

(۱) مولانا محمد عنایت اللہ اسد سبحانی

(۲) مولانا محمد سلامت اللہ اصلاحی، استاذ الاساتذہ جامعۃ الفلاح

(۳) مولانا جلیل احسن ندویؒ، سابق شیخ التفسیر جامعۃ الفلاح

(۴) سید قطب شہیدؒ

(۵) اس کتاب کا اردو ترجمہ ''اسلام کا عدل اجتماعی'' کے نام سے ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی صاحب نے کیا ہے، یہ کتاب مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی سے شائع ہو رہی ہے۔

تحریکی والدین کی خدمت میں

تحریک کی امانت ہاتھوں میں ہے ہمارے
جگنو ہیں یہ زمیں کے اور آسماں کے تارے
ان کو سنبھالنا ہے ان کو سنوارنا ہے
تحریک کے ہیں پودے شبنم سے سینچنا ہے
پھل پھول جس سے پائیں ایسا شجر لگائیں
کیسا ہو کل ہمارا یہ ہم کو سوچنا ہے
تحریک کی امانت ہاتھوں میں ہے ہمارے
ایماں کا تخم بوئیں شرم و حیا اگائیں
بوئے وفا سے مہکیں چاہے جہاں بھی جائیں
گہرائی و روانی دریا کی آئے کیسے
اس کے لیے ہے لازم علم و ادب سکھائیں
تحریک کی امانت ہاتھوں میں ہے ہمارے
ہوں گے نڈر، جفاکش، خدمت شعار بچے
صوم وصلوۃ والے یہ ذی وقار بچے
ایمان کے مبلغ اسلام کے سپاہی
دین و وطن پہ اک دن ہوں گے نثار بچے
تحریک کی امانت ہاتھوں میں ہے ہمارے
کب تک رکھوگے دل میں اب سونپ دو خدارا
انجان مت بنو یوں سمجھو مرا اشارا
تحریک کی امانت تحریک کے حوالے
اس کے سوا کوئی بھی ہے راستہ نہ چارا
تحریک کی امانت ہاتھوں میں ہے ہمارے
جگنو ہیں یہ زمیں کے اور آسماں کے تارے

نتیجہ فکر....... **شاکر الاکرم شاکر**

سامنے دیکھو ذرا وہ کوئے یار آنے کو ہے

(یہ نظم جناب مولانا مطیع الرحمٰن نظامیؒ سابق امیر بنگلہ دیش جماعت اسلامی کی شہادت پر لکھی گئی)

رفتہ رفتہ قلب مضطر کو قرار آنے کو ہے
مدتوں کے بعد اب میرا نگار آنے کو ہے
دیکھ کر ارزانیِ خونِ مسلماں ہر طرف
لگ رہا ہے گلشن دین بہار آنے کو ہے
آبلہ پائی سے یارو ہو نہ جاؤ سست گام
سامنے دیکھو ذرا وہ کوئے یار آنے کو ہے
قدسیوں نے دیکھ کر حضرت نظامی کو کہا
ہاں یہی محبوب خالق سوئے دار آنے کو ہے
ہوگئی صیاد کے ظلم وستم کی انتہا
شاید اس بدبخت پر فطرت کی مار آنے کو ہے
مصر ہو، یا شام ہو، غزہ، بنگلہ دیش ہو
ہر جگہ اک انقلاب نو بہار آنے کو ہے
کہہ دو اے عارفؔ رقیبوں سے کہ اب سارا جہاں
میرے گلشن کی طرف پروانہ وار آنے کو ہے

حافظ احسان الحق عارف آئمی

غزل

یہ کس وحشت زدہ لمحے میں داخل ہوگئے ہیں
ہم اپنے آپ کے مدِّ مقابل ہوگئے ہیں

کئی چہرے مری سوچوں سے زائل ہوگئے ہیں
کئی لہجے مرے لہجے میں شامل ہوگئے ہیں

خدا کے نا م سے طوفا ن میں کشتی اتاری
بھنور جتنے سمندر میں تھے، ساحل ہوگئے ہیں

وہ کچھ پل جن کی ٹھنڈی چھاؤں میں تم ہو ہمارے
وہی کچھ پل تو جیون بھر کا حاصل ہوگئے ہیں

الجھتے جارہے ہیں جستجو کے پر مسلسل
زمیں تا آسماں کتنے مسائل ہوگئے ہیں!

نبیلؔ آواز بھی اپنی کہاں تھی مدّتوں سے
جو تم آئے تو ہم یکلخت محفل ہوگئے ہیں

عزیز نبیل،قطر

غزل

کوئی دعا ہے یا پھر بد دعا ہے میرے لیے
یہ کون پچھلے پہر رو رہا ہے میرے لیے

میں معترف ہوں بہرحال اس کی چاہت کا
جو ترک دنیا کیے جا رہا ہے میرے لیے

پناہ اب کسی بھی جاں میں لے لیا جائے
کہ آسماں نہ زمیں کچھ بچا ہے میرے لیے

میں چاہ کے بھی جدا اس سے ہو نہیں سکتا
عجیب بے بسی کی انتہا ہے میرے لیے

سمجھ نہ پایا اسے میں نہ وہ مجھے رضواںؔ
یہ کوئی واہمہ یا حادثہ ہے میرے لیے

خان رضوان،
ابوالفضل انکلیو، اوکھلا، نئی دہلی

تعارف وتبصرہ

حکیم محمد ایوب: وہ مرد خود آگاہ مجھے یاد ہے اب بھی

ترتیب وپیشکش: نسیم احمد غازی فلاحی،

معاونین: نعیم احمد غازی فلاحی، ابوالاعلیٰ سید سبحانی

صفحات: 240، **قیمت:** 150 روپے، **اشاعت:** 2015،

ناشر: رازی پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز نئی دہلی۔25

تبصرہ: سعید اختر اعظمی

'بلریا گنج کے حکیم صاحب جسے مٹی کی پُڑیا بھی باندھ کر دے دیں وہ صحت یاب ہوجائے۔ حج پر گئے تھے، غلاف کعبہ پکڑ کر خوب روئے، بھگوان نے اُن کی سن لی، اب ان کے ہاتھ میں شفا ہے'۔ 'جامعۃ الفلاح' میں ہر طرف طلبہ کی زبان پر ایک ہی بات ہے کہ آج زمزم کا پانی پینے کا موقع ملے گا۔ اُس وقت دُور دُور تک حج کو جانے والوں کی تعداد بہت ہی کم ہوا کرتی تھی۔ جو لوگ جاتے بھی تھے تو اُن سے زمزم کی توقع رکھنا مشکل تھا۔ ان حالات میں حکیم جی نے جامعۃ الفلاح کے طلبہ واساتذہ کے لیے زمزم اور کھجوروں کا وہ تحفہ پیش کیا'۔ 'میں ایک زمانے تک اُن کے ساتھ رہا، لیکن مجھے کبھی بھی اس بات کا احساس نہیں ہونے دیا کہ میں اُن کے یہاں ملازم ہوں، بلکہ میں مالک کی حیثیت سے ہی رہا'۔ 'حکیم جی کی یہ سوچ تھی کہ مریضوں کا پیسہ کم سے کم لگنا چاہیے، کم سے کم دواؤں سے مریضوں کو فائدہ پہنچے'۔ 'حکیم جی سے جیل میں لوگ بہت خوش رہا کرتے تھے۔ وہاں وہ لوگوں سے ملتے، بات چیت کرتے، اسلام اور اسلامی تعلیمات کا اپنے قول وعمل سے اعلان کرتے'۔ 'ارے بھائی وہ پاگل جو دروازے پر آتا تھا آج نہیں آیا۔ اسی لیے کھانا لے کر نکلا ہوں کہ شاید وہ ادھر مل جائے'۔ 'حکیم صاحب نے جتنے مریضوں کا علاج کیا اگر اُن کے اعداد وشمار اکٹھے کیے جائیں تو غالباً وہ تعداد گنیز بک آف ورلڈ ریکارڈ میں آجائے'۔

یادوں کے البم میں رکھی یہ چند تصویریں جس شخصیت کی ہیں وہ ہیں حکیم محمد ایوب مرحوم (1927-2004)۔ نسیم احمد غازی فلاحی کی ترتیب کردہ 'حکیم محمد ایوب: وہ مرد خود آگاہ مجھے یاد ہے اب بھی' طبیب مجتہد، حاذق، مؤسس جامعۃ الفلاح، خادم قوم اور ہر دل عزیز شخصیت پر چند تأثراتی تحریریں ہیں۔ مولانا محمد عنایت اللہ اسد سبحانی، مولانا عبدالحسیب اصلاحی، مولانا محمد رفیق قاسمی، منشی محمد انور، مولوی

محمد عیسی، مولانا محمد عمران فلاحی، مولانا مطیع اللہ فلاحی، مولانا شبیر فلاحی، مولانا نعیم الدین اصلاحی، مولانا محمد اسمعیل فلاحی، مولانا مقبول فلاحی، مولانا ظفر احمد الاثری، ڈاکٹر عبدالجبار، ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن اعظمی، ڈاکٹر عبیداللہ فہد فلاحی، ڈاکٹر توقیر عالم فلاحی اور ڈاکٹر امتیاز وحید سمیت ڈھائی درجن قلم کاروں کی ان تحریروں میں اپنائیت، لگاوٹ اور انسیت کی جلوہ گری جابجا نظر آتی ہے۔ فاضل مرتب کی تین تحریریں ایک عہد زریں کی تاریخ کا احاطہ کرتی ہیں۔ حکیم جی نے علاج سے مایوس مریضوں کے درد کا درماں تلاش کیا۔ انھوں نے اس حوالے کو مستحکم کرنے کے لیے مریض کے تمام ترکوائف، مرض کی علامتیں اور دیگر اہم نکات اپنی بیاض میں نوٹ کیے جو اُن کے انتقال سے دو سال قبل 'معالجاتی مشاہدات' کے نام سے منظر عام پر آئے۔ یہاں اس کتاب پر دو اجمالی و تفصیلی تبصرے ڈاکٹر محی الدین غازی اور ڈاکٹر عبدالعزیز فارس کے شامل کیے گئے ہیں جو حکیم جی کے طبی فکر عمیق اور دوررس نتائج کو سامنے لاتے ہیں۔ ایسے لوگ جو دلوں میں بستے ہوں انھیں حرف ولفظ میں سمو کر قرطاس کی زینت بنا دینا ہمارا فرض اولین بنتا ہے۔ نسیم احمد غازی فلاحی، نعیم احمد غازی فلاحی اور ابوالاعلی سید سبحانی نے یہ فرض بحسن وخوبی نبھایا ہے۔

جانب فلاح (سفر نامہ جامعۃ الفلاح بموقع جشن طلائی)

تصنیف: غلام نبی خاموش

ناشر: المیقات پبلشرز گاؤ کدال سرینگر

اشاعت: مئی ۲۰۱۲ء، **قیمت**: ۱۲۵ روپے، **صفحات**: ۱۷۰

مبصر: محمد صادق ظلی

جامعۃ الفلاح کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ ملک ہی نہیں بیرون ملک بھی اس کی ایک منفرد شناخت اور پہچان ہے۔ ابنائے جامعہ کے تحقیقی و تصنیفی کارناموں نے جامعۃ الفلاح کو ملک و بیرون ملک کے علمی وفکری حلقوں میں قابل رشک مقام عطا کیا ہے۔ جامعۃ الفلاح ایک فکر ہے، ایک تحریک ہے، ایک شجر ہائے سایہ دار ہے، جس کے فیوض سے ایک جہان مستفید ہو رہا ہے۔

جامعۃ الفلاح ایک قدیم ادارہ ہے جس نے ۲۰۱۲ء میں اپنے قیام کے پچاس سال پورے کر لیے ہیں۔ اسی مناسبت سے جامعہ نے ۲۰۱۲ء میں سہ روزہ جشن طلائی (JubileeGolden) تقریب منعقد کی تھی۔ اس تقریب میں شرکت کی غرض سے ریاست جموں وکشمیر کے سرحدی ضلع کپواڑہ سے تعلق رکھنے والے محترم غلام بنی خاموش صاحب بھی تشریف لائے تھے۔ غلام نبی خاموش صاحب جموں وکشمیر کی تحریک اسلامی سے وابستہ ہیں۔ صلاحیت، صالحیت اور اوصاف حمیدہ تحریک اسلامی کا اثاثہ ہے اور مصنف موصوف اپنی تحریر اور تعمیری فکر وسوچ کے آئینے میں ان سب سے بخوبی بہرہ ور نظر آتے ہیں۔

خاموش صاحب نے جشن طلائی میں شرکت سے قبل ہی سفر میں پیش آنے والے واقعات، تجربات، مشاہدات اور مقامات کو تحریری شکل دینے کا ارادہ کر لیا تھا، بالآخر روداد سفر پر مبنی موصوف کی یہ کاوش پورے ۱۰۷ صفحات پر مشتمل ایک کتاب ''جانب فلاح'' کے نام سے آج ہمارے ہاتھوں میں ہے۔

''جانب فلاح'' ایک سفر کی روداد ہی نہیں بلکہ سفر کی تفصیلات پر مبنی ایک دستاویز بھی ہے۔ یہ صرف ایک سفر نامہ ہی نہیں دعوت بھی ہے، تحریک بھی ہے، اور تاریخ بھی ہے۔ اس کتاب میں دلچسپی کا اتنا مواد ہے کہ کوئی بھی باذوق قاری ایک ہی نشست میں پوری کتاب ختم کر دینا چاہے گا۔ بلاشبہ خاموش صاحب نے خاموشی کے ساتھ جامعہ اور اس کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے جشن طلائی تقریبات کی ایک بڑی خدمت کر دی ہے۔ البتہ ''جانب فلاح'' بھی اردو زبان کی دیگر کتابوں کی طرح طباعت و کتابت کی غلطیوں سے مبرا نہیں ہے۔ بعض کمیاں علاقائی لہجہ کی بنا پر بھی ہیں۔ اسی طرح صفحہ ۸۹ پر ایک عنوان ''کشمیر کا لائف اسٹائل'' کتاب کی روح کو مجروح کر رہا ہے۔ عنوان اور موازنہ دونوں ہی کتاب کی خوبصورتی پر بدنما داغ لگ رہے ہیں۔ ایک غلط چیز کو تحسین آمیز نظروں سے دیکھنا، اس کی حوصلہ افزائی کرنا، یا پھر بلا وجہ اس کی توجیہ کرنا درست عمل نہیں ہے، موصوف رقمطراز ہیں: ''جو قوم طویل اور نہ ختم ہونے والی مصیبت میں مبتلا ہو اس کا زندگی گزارنے کا ڈھنگ لازماً دوسروں سے الگ ہونا چاہیے''، بلاشبہ ہونا چاہیے مگر اس کا یہ مطلب قطعی نہیں ہونا چاہیے کہ حالات اور وسائل سے بے نیاز ترقی یافتہ شہروں کی برابری کرنے لگ جائیں اور حرکت و عمل سے پلہ جھاڑ لیں۔ بہر حال بحیثیت مجموعی کتاب بہت مفید اور معلوماتی ہے اور قیمت بھی معقول ہے، اہل ذوق اور جامعہ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے یہ کتاب ایک اچھا تحفہ ہے، اللہ کرے زور قلم اور زیادہ ہو اور کتاب کا فیض عام ہو۔

ادبی معلوماتی پہیلیاں

مرتب: ڈاکٹر شمیم احمد صدیقی نگینوی

صفحات:120، **قیمت**:74 روپے، **اشاعت**:2012

ناشر: ڈاکٹر شمیم احمد صدیقی، نسیم منزل، مدح گنج پولس چوکی، سیتاپور روڈ، لکھنؤ

تبصرہ: سعید اختر اعظمی

معموں کی بھول بھلیاں پُر اسرار اور دلچسپ ہوتی ہیں۔ اسی لیے ہر متجسس ذہن اس میں گم ہو کر گوہر مراد تلاش کرنے کا متمنی ہوتا ہے۔ براہ راست معلومات کی دستیابی کے مقابلہ میں یہ راستہ دشوار گزار سہی مگر قدم قدم پر تحیر کے سبب گراں بار نہیں ہوتا۔ دادیوں، نانیوں اور ماؤں کی آغوش سے لے کر اساتذہ کی معیت نیز درسی و غیر درسی کتب تک معموں کا ایک طویل سلسلہ ہے جس میں امیر خسرو کی

کہہ مکرنیاں معتبر حوالہ بن گئی ہیں۔بچوں کی ذہنی تربیت کی خاطر یہ ترکیب کارگر مانی جاتی رہی ہے۔اسی ضمن میں ڈاکٹر شمیم احمد صدیقی نگینوی کا فکر رسا قابل تحسین قدم ہے۔'ادبی معلوماتی پہیلیاں' ڈاکٹر شمیم احمد صدیقی نگینوی کا متنوع موضوعات پر پیش کردہ ذخیرہ معلومات ہے۔سبزی وترکاری، پھل، مٹھائی، اعضائے جسم، صحت وبیماری، حیوانات، قدرتی وسائل، ضروریات روزمرہ، افراد وطبقات، جغرافیہ و تہذیب اور متفرق معلومات کے تحت انھوں نے گویا کوزے میں دریا سمیٹ کر رکھ دیا ہے۔یہ پیش کش اتنی فطری اور سہل ہے کہ غور وفکر کے دریچے از خود وا ہوتے چلے جاتے ہیں۔چند مثالیں دیکھیے :

1۔اُس پانچ حرفی پھول کا نام بتائیں جو زیادہ تر ہار بنانے کے کام آتا ہے، لیکن 'الف' پر ختم ہونے والے اس کے نام میں 'گ' سے شروع ہونے والی ایسی چیز کا نام شامل ہے جو بہت سے کھیلوں میں استعمال کی جاتی ہے۔(گیندا)

2۔اُس پانچ حرفی خدمت گار کا نام بتائیں جس کو ہم خوشی خوشی اپنے کپڑے دے دیتے ہیں اور جب وہ اُن کو واپس کرتا ہے تو ہم اُس کو کچھ پیسے دیتے ہیں۔اگر آپ اُس کا نام نہ پائیں تو کرکٹ کے مشہور ترین کھلاڑی 'دھونی' کے 'ن' کے نقطہ کی جگہ بدل کر دیکھیں۔(دھوبی)

3۔عورتوں کے استعمال کا وہ کون سا کپڑا ہے جس کے نام کو سُن کر ایک انجان شخص اس غلط فہمی کا شکار ہوسکتا ہے کہ وہ دو ٹکڑوں پہ مشتمل ہے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ صرف ایک ہی کپڑے پہ مشتمل ہوتا ہے۔لطف کی بات یہ ہے کہ اس کو استعمال کرنے کے لیے کسی کاٹ چھانٹ کی ضرورت پیش نہیں آتی۔(دوپٹہ)

4۔وہ کون سی مٹھائی ہے جس کا نام چار چار حروف کے دو الفاظ سے مل کر بنا ہے۔پہلا لفظ ایک مشہور پھول کا نام ہے جو اپنے اندر فارسی زبان کا پھول اور پانی رکھتا ہے، جبکہ دوسرا لفظ ایک ایسے پھل کا نام ہے جو اپنے اندر ایک دوسرے پھل کے علاوہ امن کا پیغام بھی رکھتا ہے۔مٹھائی کا نام 'گ' سے شروع ہوتا ہے۔(گلاب جامن)

5۔تمام مکانات میں موجود اُس کمرے کا نام بتائیں جس میں گھر کے مرد کم داخل ہوتے ہیں جبکہ گھر کی عورتیں اپنا خاصا وقت اس کمرے میں گزارتی ہیں۔اس کمرے کے اردو نام میں بھی 'چ' آتی ہے اور انگریزی میں بھی۔(باورچی خانہ / کچن)

ڈاکٹر شمیم احمد صدیقی نگینوی کی یہ کاوش وکوشش اس قابل ہے کہ یہ بجا طور پر دادیوں، نانیوں، ماؤں، معلمین ومعلمات، اطفال وجواں اور عوام وخواص کے مطالعہ کا جز ولازم بنے۔نئی نسل میں فروغ علم کی خاطر انھیں ایسی کوششوں کی ترغیب وتحریک ملے اور رب کریم اسے مفید وبامقصد کام کرنے کی انھیں توفیق دے۔آمین۔

آپ کے خطوط

حافظ احسان الحق فلاحی،کلیۃ البنات جامعۃ الفلاح

عزیزی ابوالاعلیٰ سید سبحانی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ماہنامہ جریدہ حیات نو خوب سے خوب تر کی طرف بڑی تیزی سے گام زن ہے۔ نیا مہینہ شروع ہوتے ہی حیات نو کا انتظار ہونے لگتا ہے۔ اس کے تمام مضامین بڑے ہی عمدہ اور معیاری ہوتے ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ ''اردو تراجم قرآن پر ایک نظر'' تو بے حد عمدہ ہوتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ اسے کتابی شکل میں ضرور شائع کیا جائے گا۔ دعا ہے کہ حیات نو آپ کی ادارت میں اسی طرح ترقی کے منازل طے کرتا رہے۔ فقط والسلام

ڈاکٹر اسرار احمد، جیراج پور۔اعظم گڑھ

محی الدین غازی صاحب کا قسط وار مضمون ''اردو تراجم قرآن پر ایک نظر'' جس طرح تحقیق و جستجو کا دروازہ وا کرتا ہے شحات قلم سے اس کی تعریف نہیں کی جاسکتی۔ کاش اس طرح کے اور اہل قلم ہوتے تا کہ حیات نو ترقی کی منزلیں طے کرتے ہوئے اوج ثریا پر کمند ڈال سکتا۔

محمد ثاقب فلاحی، متحدہ عرب امارات

حیات نو ماہ جنوری تا مارچ بذریعہ ای میل موصول ہوا۔ یہ جان کر حیرت ہوئی کہ حیات نو وقتی طور سے سہ ماہی کر دیا گیا ہے۔ میرے خیال سے حیات نو کو ماہنامہ ہی رکھنا زیادہ مناسب ہے۔ گزشتہ چند سالوں میں فلاحی برادران کے درمیان حیات نو سے جو دلچسپی بڑھی ہے اور جس طرح سے دنیا بھر میں مقیم فلاحی طلبہ وطالبات پابندی سے اس میں اپنا قلمی تعاون پیش کررہے ہیں، اس کی حوصلہ افزائی ہونی چاہیے۔ البتہ ناچیز کا مشورہ ہے کہ حیات نو کی انجمن کی ویب سائٹ سے الگ ایک مستقل ویب سائٹ بنائی جائے، اس پر پی ڈی ایف اور یونی کوڈ دونوں فارمیٹ میں اس کو اپ لوڈ کیا جائے، اور ساتھ ہی آن لائن ریڈرشپ میں اضافہ کی مختلف صورتوں پر غور کیا جائے، تا کہ اس کی افادیت کا دائرہ وسیع تر ہو سکے، دعا وسلام

جامعہ کے لیل ونہار

مصباح الباری فلاحی، استاذ شعبہ اعلی، جامعۃ الفلاح

جامعہ میں نئی تقرریاں

۱۹/جنوری ۲۰۱۷ء بروز پنجشنبہ جامعہ کے مختلف شعبہ جات کے لیے انٹرویو ہوا جس میں درج ذیل تقرریاں عمل میں آئیں:

(۱)	جناب ابوسالم قاسمی صاحب	شعبہ حفظ
(۲)	محترمہ صباروین فلاحی صاحبہ	شعبہ ابتدائی طالبات
(۳)	محترمہ فاطمہ عتیق صاحبہ	شعبہ ابتدائی طالبات
(۴)	محترمہ سمیہ عبدالمجید صاحبہ	شعبہ ابتدائی طالبات
(۵)	جناب حافظ جہانگیر فلاحی صاحب	شعبہ ثانوی طلبہ
(۶)	جناب محمد فیصل صاحب	شعبہ ثانوی طلبہ
(۷)	محترمہ درخشاں جواد صاحبہ	شعبہ ابتدائی طالبات
(۸)	جناب محمد شاہد مفتاحی صاحب	لائبریری
(۹)	محترمہ ثنا آصف صاحبہ	شعبہ ثانوی طالبات
(۱۰)	محترمہ ثمرہ یعقوب فلاحی صاحبہ	شعبہ حفظ طالبات
(۱۱)	جناب اسامہ عظیم فلاحی صاحب	شعبہ رابطہ عامہ
(۱۲)	جناب ارشد جمال قاسمی صاحب	شعبہ حفظ طلبہ
(۱۳)	محترم عبدالعزیز صاحب	شعبہ ثانوی طلبہ
(۱۴)	محترمہ صائمہ عمران فلاحی صاحبہ	شعبہ ابتدائی طالبات
(۱۵)	محترمہ رقیہ ابوظفر فلاحی صاحبہ	شعبہ حفظ
(۱۶)	محترمہ رخسانہ کلیم صاحبہ	شعبہ ابتدائی طالبات

(۱۷) محترمہ عالم آراء صاحبہ شعبہ سلائی وکڑھائی
(۱۸) محترمہ عصمت بدر عالم صاحبہ شعبہ سلائی وکڑھائی

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ تم ہی نو واردین کو اپنی ذمہ داری بحسن وخوبی انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے، آمین

مجموعہ مقالات سیمینار کی رسم اجراء

۳۱ر جنوری ۲۰۱۷ء بروز سہ شنبہ ابواللیث ہال میں جامعہ میں منعقد دو روزہ سیمینار بعنوان ''اسلام کا عائلی نظام، انسانیت کے لیے رحمت کا پیغام'' کے مجموعہ مقالات کا اجراء عمل میں آیا۔ اس مناسبت سے ناظم جامعہ مولانا محمد طاہر مدنی صاحب نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اسلام کے عائلی نظام سے متعلق اچھی معلومات اس مجموعہ میں شامل ہیں۔ کافی اچھے مقالات ہیں۔ ان مقالات کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ کافی محنت سے تیار کیے گئے ہیں۔ یہ مجموعہ مقالات ہر گھر کی ضرورت ہے۔ نظامت کے فرائض مولانا اعجاز قاسمی صاحب نے انجام دیئے۔

مولانا ذکی الرحمٰن غازی فلاحی کی دو کتابوں کی رسم اجراء

یکم فروری ۲۰۱۷ء بروز چہارشنبہ ابواللیث ہال میں جناب مولانا ذکی الرحمٰن غازی فلاحی کی دو تازہ کتابوں کا اجراء عمل میں آیا۔ پہلی کتاب ''حیرت انگیز سفر نامے'' کا اجراء نائب صدر انجمن مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی کے ہاتھوں عمل میں آیا۔ اس مناسبت سے نائب ناظم جامعہ مولانا مقبول احمد فلاحی صاحب نے اپنے تأثرات میں فرمایا کہ قرآن میں ''قل سیروا فی الارض'' کہا گیا ہے۔ سفر کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ میں نے اس کتاب کو گیارہ دن میں مکمل کیا ہے۔ یہ اپنے موضوع پر ایک شاہکار کتاب ہے۔ اس مناسبت سے نائب صدر انجمن مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی صاحب نے فرمایا کہ اپنے موضوع پر کتاب نہایت ہی اہم ہے۔ عام کتابوں سے ہٹ کر نئے انداز سے سفر نامے اس میں مرتب کیے گئے ہیں۔ دوسری کتاب ''مسلم اقلیتوں کے شرعی مسائل'' کا اجراء ناظم جامعہ مولانا محمد طاہر مدنی صاحب کے بدست عمل میں آیا۔ ناظم جامعہ نے فرمایا کہ فقہ الاقلیات پر یہ کتاب بہت ہی اچھے انداز سے مرتب کی گئی ہے جس میں قدیم علماء کی آراء و دلائل کے ساتھ معاصر علماء کی آراء کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔ پروگرام کے اختتام سے قبل جناب ذکی الرحمٰن غازی صاحب نے کلمات تشکر پیش کیے۔ نظامت کے فرائض مولانا مصباح الباری فلاحی نے انجام دیئے۔

مولانا ولی اللہ مجید قاسمی صاحب کی کتاب ''فقہی مقالات'' کا اجراء

۶؍فروری ۲۰۱۷ء بروز دوشنبہ ابواللیث ہال میں جامعہ کے ایک سینئر استاذ جناب مولانا ولی اللہ مجید قاسمی صاحب کی کتاب ''فقہی مقالات'' کا اجراء ناظم جامعہ مولانا محمد طاہر مدنی صاحب کے بدست ہوا۔ ناظم جامعہ نے اس مناسبت سے اپنے تأثرات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ''فقہی مقالات'' بہت ہی عمدہ کتاب ہے۔ اس کتاب میں زکوۃ، معاشیات، نکاح، طلاق، خلع، بیمہ، جوا آمیز معاملات، غیر مسلموں کے ساتھ سماجی تعلقات اور دوسرے بہت سے اہم عصری موضوعات پر مفصل اور سیر حاصل اور مدلل انداز میں گفتگو کی گئی ہے، ۵۷۹؍صفحات پر یہ کتاب مشتمل ہے۔ ناظم جامعہ نے مزید یہ بھی فرمایا کہ مولانا ولی اللہ مجید قاسمی صاحب اسلامی فقہ اکیڈمی میں جامعہ کی بہترین نمائندگی کرتے ہیں، اور آپ کے مقالات قدر ووقعت سے دیکھے جاتے ہیں۔ نظامت کے فرائض جناب مصباح الباری فلاحی صاحب نے انجام دیئے۔

جامعہ میں ادبی نشست

۹؍فروری ۲۰۱۷ء بروز پنجشنبہ بعد نماز عشاء ابواللیث ہال میں ادارہ ادب اسلامی کے تحت ایک ادبی نشست منعقد ہوئی جس کی صدارت ناظم جامعہ مولانا محمد طاہر مدنی صاحب نے فرمائی، جبکہ مہمان خصوصی ڈاکٹر تابش مہدی صاحب تھے۔ اس ادبی نشست میں قرب وجوار کے متعدد شعراء کرام نے شرکت کی اور اپنے کلام سے سامعین کو محظوظ کیا۔ نظامت کے فرائض جناب شمیم احمد صاحب نے انجام دیئے۔

جمعیۃ الطلبہ کی جانب سے قرأت کا مطالبہ

۹؍فروری ۲۰۱۷ء بروز پنجشنبہ بعد نماز مغرب قرأت کا مقابلہ جمعیۃ الطلبہ کی جانب سے منعقد ہوا، عربی اول تا فضیلت کا مقابلہ مسجد میں ہوا۔ حکم کے فرائض جناب ڈاکٹر تابش مہدی صاحب اور جناب مولانا اعجاز احمد قاسمی صاحب نے انجام دیئے۔ اس مقابلے میں ۳۷؍طلبہ نے شرکت کی۔ اس مقابلے میں اول، دوم اور سوم آنے والے طلبہ کی فہرست درج ذیل ہے:

محمد مجاہد	فضیلت سال دوم	اول پوزیشن
محمد اشہد	عربی پنجم	دوم پوزیشن
حارث ممتاز	عربی پنجم	سوم پوزیشن

اسی طرح حفظ وثانوی کے قرأت کے مقابلے میں مشارکین کی تعداد ۲۲؍تھی۔ حکم کے فرائض

جناب مولانا اقبال احمد اصلاحی ندوی صاحب اور قاری عبدالغفار قاسمی صاحب نے انجام دیئے۔ اس مقابلے میں درج ذیل طلبہ نے پوزیشن حاصل کی:

سیف اللہ	حفظ	اول پوزیشن
التمش الماحی	ہفتم	دوم پوزیشن
تابش	حفظ	سوم پوزیشن

۱۱/فروری ۲۰۱۷ء بروز شنبہ ابواللیث ہال میں اول، دوم، سوم آنے والے طلبہ کو انعامات سے نوازا گیا۔ اخیر میں مہتمم تعلیم وتربیت جناب مولانا نعیم الدین اصلاحی صاحب نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ فہم قرآن کے ساتھ ساتھ تجوید وقرأت کی جانب بھی ہمیں توجہ دینی چاہیے۔ کیونکہ لوگ عالم دین ہوں گے اور تجوید سے نابلد ہوں گے تو قرآن اردو کی طرح پڑھیں گے، اس لیے اس جانب توجہ کی ضرورت ہے۔

حفظ متون کی تقسیم انعامات کی تقریب

۱۲/فروری ۲۰۱۷ء بروز یکشنبہ ابواللیث ہال میں تقسیم انعامات کا ایک پروگرام جناب ڈاکٹر تابش مہدی صاحب کے زیر صدارت منعقد ہوا۔ عربی پنجم تا فضیلت کے مسابقہ حفظ متون حدیث میں پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ کی فہرست درج ذیل ہے:

شاہ زیب احمد صغیر	عربی ہشتم	اول پوزیشن
محمد مجاہد محمد شاہد	عربی ہشتم	اول پوزیشن
محمد ریحان محمد یاسر	عربی پنجم	دوم پوزیشن
ابومعاذ ابوصالح	عربی پنجم	دوم پوزیشن
توصیف اختر توفیق الاسلام	عربی ہشتم	سوم پوزیشن

اس گروپ میں سے کل ۱۴/طلبہ نے مسابقہ میں شرکت کی۔

دوسرا گروپ مسابقہ حفظ نظم الاجرومیہ کا ہے جس میں عربی سوم وچہارم کے ۵/طلبہ نے شرکت کی۔ درج ذیل طلبہ نے اس مسابقہ میں پوزیشن حاصل کی:

ذیشان احمد	عربی سوم	اول پوزیشن
احسان اللہ	عربی چہارم	دوم پوزیشن
سید محمد اسماعیل	عربی سوم	سوم پوزیشن

تیسرا گروپ مسابقہ حفظ تحفۃ الاعراب کا ہوا، جس میں عربی اول ودوم کے ۱۲/طلبہ نے شرکت کی۔

اس میں پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ کی فہرست درج ذیل ہے:

محمد جمیل اختر اسلم	عربی اول	اول پوزیشن
محمد معاذ عیسی	عربی اول	دوم پوزیشن
محمد شاہنواز	عربی اول	سوم پوزیشن

اسی طرح مسابقہ حفظ حدیث نبوی عربی پنجم تا فضیلت طالبات کے گروپ (اے) سے درج ذیل طالبات نے پوزیشن حاصل کی، اس مسابقہ میں پندرہ طالبات نے حصہ لیا۔

راحلہ عظیم	عربی پنجم	اول پوزیشن
مروہ عظیم	فضیلت اولی	دوم پوزیشن
غزالہ حسن	فضیلت اخری	دوم پوزیشن
اسماء حفیظ	فضیلت اولی	سوم پوزیشن

گروپ (بی) طالبات میں صرف ایک طالبہ اقصی خالد مسابقہ میں شریک ہوئی، چنانچہ اس کو تیسری پوزیشن میں شامل کرلیا گیا۔

گروپ (سی) طالبات میں مسابقہ حفظ تحفۃ الاعراب عربی اول ودوم میں ۲۱/طالبات نے شرکت کی، جس میں درج ذیل طالبات نے پوزیشن حاصل کیں:

رحیمہ فہیم	عربی دوم	اول پوزیشن
فرحہ تنویر	عربی اول	دوم پوزیشن
نازو عبدالرحمٰن	عربی دوم	سوم پوزیشن

اس مسابقہ میں اول پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ وطالبات کو دو دو ہزار روپے نقد مع کتب بطور انعام دیئے گئے۔ جبکہ دوم پوزیشن حاصل کرنے والوں کو پندرہ پندرہ سو روپے مع کتب اور تیسری پوزیشن حاصل کرنے والوں کو ایک ایک ہزار روپے مع کتب بطور انعام دیئے گئے۔ اس کے علاوہ اس مسابقہ میں شریک تمام ہی طلبہ وطالبات کو تشجیعی انعامات سے بھی نوازا گیا۔

طلبہ کے درمیان تقسیم انعامات تقریب میں صدارتی خطاب فرماتے ہوئے ڈاکٹر تابش مہدی صاحب نے فرمایا کہ مجھے بہت خوشی ہوئی کہ جامعہ میں حفظ حدیث کا مسابقہ ہوا۔ عموماً لوگ احادیث کا مفہوم یا ترجمہ تقریروں میں پیش کرتے ہیں اس لیے جن لوگوں نے یہ مسابقہ کرایا وہ مبارکباد کے مستحق ہیں۔ اسی طرح اس مسابقہ میں شرکت کرنے والے بھی مبارکباد کے مستحق ہیں۔

شعبہ اعلیٰ طلبہ کے سرپرستوں کے ساتھ ذمہ داران جامعہ کی نشست

۱۹رفروری ۲۰۱۷ء بروز یکشنبہ ابواللیث ہال میں غیر بورڈر طلبہ کے سرپرستوں کے ساتھ ذمہ داران جامعہ کی نشست ہوئی۔ پروگرام کا آغاز جناب مصباح الباری فلاحی صاحب کی تلاوت کلام پاک سے ہوا۔اس کے بعد مولانا امیر فیصل فلاحی صاحب نے اپنی گفتگو میں فرمایا کہ شعبہ اعلیٰ کے غیر بورڈر طلبہ میں ۹۶رطلبہ امتحان میں ناکام ہوئے ہیں جبکہ صرف ۸۰رطلبہ ہی کامیاب ہوسکے ہیں،یعنی پچاس فیصد سے کم طلبہ ہی پاس ہوئے ہیں۔اس لیے سرپرستوں کو جمع کیا گیا تاکہ اس سلسلے میں ان کے ساتھ تبادلہ خیال ہوسکے اور اساتذہ کے ساتھ ساتھ سرپرستوں کی کیا ذمہ داری بنتی ہے،اس پر گفتگو کی جاسکے۔اس کے بعد مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی صاحب نے ''تعلیم کی اہمیت'' پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ تعلیم کے بغیر انسان اپنے آپ کو پہچان نہیں سکتا۔اس لیے سرپرست حضرات اس جانب خاص توجہ دیں اور اپنے بچوں پر خوب محنت کریں۔''بچوں کی تعلیم میں سرپرستوں کا رول'' کے عنوان پر مولانا اعجاز احمد قاسمی صاحب نے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ سرپرست حضرات بچوں پر گہری نگاہ رکھیں،انہیں رغبت اور شوق دلائیں،اور ان کا جائزہ لیتے رہیں۔''ناکام طلبہ کی رہنمائی کا منصوبہ'' کے عنوان سے مولانا انیس احمد مدنی صاحب نے اظہار خیال کیا۔آخر میں مہتمم تعلیم وتربیت مولانا نعیم الدین اصلاحی صاحب نے صدارتی خطاب فرمایا۔ پروگرام کی نظامت کے فرائض مولانا اعجاز احمد قاسمی صاحب نگراں اعلیٰ جامعۃ الفلاح نے انجام دیئے۔

ڈاکٹر عبدالحق صاحب کا خطاب

۲۰رفروری ۲۰۱۷ء بروز دوشنبہ ابواللیث ہال میں ایک پروگرام جناب ڈاکٹر عبدالحق صاحب کی جامعہ آمد پر منعقد ہوا۔مہمان کا تعارف کراتے ہوئے مولانا رحمت اللہ اثری صاحب نے فرمایا کہ جامعہ مولانا مودودی اور علامہ اقبال کے خوابوں کی تعبیر ہے۔علامہ اقبال کا ڈاکٹر عبدالحق صاحب نے بہت ہی باریک بینی سے مطالعہ کیا ہے،فی الحال آپ دہلی میں مقیم ہیں۔ڈاکٹر عبدالحق صاحب نے اپنی گفتگو میں فرمایا کہ امت مسلمہ ایک نمایاں قوم ہے۔عربوں کے نطق اور خطابات پوری دنیا میں مشہور ہیں، یہ چیز آپ غیر مسلموں میں نہیں پاسکتے۔رشید احمد صدیقی نے کہا تھا کہ طلبہ کو ان کے قدموں کے انداز سے پہچان لیا جانا چاہیے یعنی آپ کی شخصیت ایسی ہو کہ لوگ آپ کو دیکھ کر پہچان لیں۔اپنی سوچ اور فکر کے ذریعے اپنی پہچان بنایئے جس طرح علامہ اقبال نے اپنی شخصیت کا لوہا منوایا۔آپ اپنے خیال کو متحرک اور پاکیزہ بنائیں۔اقبال کا مطالعہ کریں۔اقبال نے خون میں حرارت پیدا کی ہے۔کلمات تشکر مہتمم تعلیم وتربیت مولانا نعیم الدین اصلاحی صاحب نے پیش کیے۔

روداد مجلس شوریٰ انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح

میٹنگ بتاریخ: ۱۹؍ مارچ ۲۰۱۷ء، بمقام: مرکز جماعت اسلامی ہند، نئی دہلی

مذکورہ تاریخ میں انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح کی مجلس شوریٰ کا اجلاس جناب مشرف حسین صدیقی صاحب صدرِ انجمن کی صدارت میں منعقد ہوا، اس اجلاس میں تمام ارکانِ شوریٰ کی شرکت رہی۔ صرف مولانا محمد عمران فلاحی صاحب کی طرف سے معذرت موصول ہوئی۔ درج ذیل افراد مدعوئینِ خصوصی کی حیثیت سے شریک ہوئے:

۱۔ مولانا نسیم احمد غازی فلاحی صاحب

۲۔ مولانا طارق اکرام اللہ فلاحی صاحب

۳۔ مولانا شبیر احمد فلاحی صاحب

۴۔ ڈاکٹر محمد نعیم فلاحی صاحب

۵۔ برادر آصف نواز فلاحی صاحب

۶۔ برادر محمد خالد اعظمی صاحب

اس اجلاس کے فیصلے حسب ذیل ہیں:

۱۔ میقات ۲۰۱۷ء تا ۲۰۱۹ء کے لیے صدر انجمن نے ارکان شوری کے مشورہ کے بعد جن بھائیوں کو انجمن کی مختلف ذمہ داریاں سونپی تھیں آج کے اجلاس میں اس کی توثیق ہوئی۔ تفصیل حسب ذیل ہے:

جناب ڈاکٹر رضوان رفیقی صاحب	نائب صدر
مولانا رحمت اللہ اثری صاحب	نائب صدر
مولانا انعام اللہ فلاحی صاحب	سکریٹری
جناب ادھم علی صاحب	خازن

۲۔ میقاتِ انجمن کی توقیت میں تبدیلی لائی گئی۔ جس کے مطابق میقات رواں یکم جنوری ۲۰۱۷ء تا

۳۱/مارچ ۲۰۲۰ء پر مشتمل ہوگی۔ آئندہ انجمن کی سہ سالہ میقات یکم اپریل تا ۳۱/مارچ پر مشتمل ہوگی۔

۳۔ انجمن طلبۂ قدیم کی رکنیت کا فارم جو فارغینِ جامعہ پہلے پر کر چکے ہوں وہ تمام فارغین انجمن کے ارکان ہوں گے۔ از سر نو انہیں فارم پر کرنے کی ضرورت نہیں۔

(اس سلسلے میں صدر انجمن کا پیغام اسی شمارے کے صفحہ ۵/ پر ملاحظہ فرمائیں، نیز صفحہ ۹۵/۹۶/ پر معلوماتی فارم بھی ملاحظہ فرمائیں)

۴۔ بعض اہم امور کی انجام دہی اور پیش رفت کے لیے ذیلی کمیٹیاں تشکیل پائیں، جو درج ذیل ہیں:

الف۔ توسیعی لکچرس کمیٹی

محمد انیس احمد مدنی کنوینر

ابوالاعلی سید سبحانی

آصف نواز فلاحی

ب۔ حیات نو کے نظم کو مزید بہتر بنانے کے لیے درج ذیل افراد پر مشتمل کمیٹی بنائی گئی:

سید راشد حامدی کنوینر

ابوالاعلی سید سبحانی

شمشاد حسین فلاحی

نعیم غازی فلاحی

ج۔ انجمن طلبۂ قدیم کے رجسٹریشن کے تعلق سے مختلف شکلوں پر غور وخوض کے لیے حسب ذیل ارکان پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی گئی:

مولانا صباح الدین ملک فلاحی صاحب

مولانا طارق اکرام اللہ فلاحی صاحب

مولانا ولی اللہ سعیدی فلاحی صاحب

د۔ انجمن کی جانب سے مختلف باصلاحیت افراد کے تقرر کے سلسلے میں شوریٰ میں غور کیا گیا۔ اس بابت ایک کمیٹی بنائی گئی جس کے ذمہ درج ذیل کام ہیں:

۱۔ اس اسکیم کی معنویت اور افادیت پر غور۔

۲۔ جن کا تقرر پہلے سے ہے ان کے کام کے لیے رہنما خطوط۔

کمیٹی درج ذیل افراد پر مشتمل ہے۔

مولانا زبیر ملک صاحب کنوینر
مولانا صباح الدین ملک فلاحی صاحب
مولانا طارق اکرام اللہ صاحب
ڈاکٹر رضوان رفیقی فلاحی صاحب

میقاتی منصوبہ

اس میقات کے منصوبے کے خاص نکات درج ذیل ہیں:

☆اسکالرشپ کا اجراء۔
☆ماہرینِ فن اور باصلاحیت افراد کی تیاری کے لیے اسکالرشپ کا نظم۔
☆منتہی درجات کے طلبہ وطالبات کے لیے کاؤنسلنگ کا اہتمام۔
☆جمیعۃ الطلبہ کا تعاون۔
☆صندوق البر تعاون۔
☆اجلاسِ عام کا اہتمام۔
☆توسیعی لکچرس کا نظم اور اس میں تسلسل۔
☆کمپیوٹر کی لازمی تعلیم کے نظم میں تعاون۔
☆حیات نو کو ماہانہ جاری رکھنے اور اس میں بہتری لانے کا فیصلہ۔
☆جامعہ میں صاف پانی کی فراہمی میں بہتری لانے کے لیے RO کا نظم۔
☆جملہ فاغین جامعہ کو انجمن سے جوڑنے کی سعی میں تیزی لائی جائے گی۔
☆انجمن ہاسٹل پروجیکٹ کی اس میقات میں تکمیل۔

ایک ضروری گزارش

جملہ فارغین جامعہ اور انجمن کی تمام ہی یونٹوں سے گزارش ہے کہ جامعہ یا فارغین جامعہ سے متعلق کوئی بھی قابل ذکر خبر ہو، اسے حیات نو کے ای میل پر ضرور ارسال کریں، جہاں اس سے جامعہ کے ریکارڈ میں چیزیں محفوظ ہوں گی، وہیں اس کے ذریعہ فارغین جامعہ ایک دوسرے کی حصولیابیوں اور کارناموں سے بحسن وخوبی واقفیت حاصل کرتے رہیں گے۔

معلوماتی فارم برائے فارغین جامعۃ الفلاح

نام:...

ولدیت:..

سن فراغت:........................ عالمیت .... فضیلت:..............................

مستقل پتہ: ....

....

....

عارضی پتہ: ....

....

....

موبائیل نمبر: ....

ای میل: ....

موجودہ مصروفیات: ....

....

اب تک کی عملی زندگی کی اہم حصولیابیاں:...

....

....

....

....

جاری کردہ:

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح ، بلریاگنج، اعظم گڑھ، یوپی-۲۷۶۱۲۱

نوٹ:

(۱) ضرورت پڑنے پر اس فارم کے ساتھ الگ سے بھی صفحات منسلک کر سکتے ہیں۔

(۲) آپ کی جانب سے فراہم کردہ یہ معلومات انجمن کے ریکارڈ کو درست کرنے نیز فارغین جامعہ کی ڈائرکٹری کی تیاری میں بھی معاون ہوں گی۔

(۳) حسب سہولت اس فارم کی کاپیاں کرالیں اور اپنے قریبی فلاحی ساتھیوں سے اس کو پُر کراکے انجمن کی درج ذیل ای میل آئی ڈی پر ارسال فرمائیں:

atq.jamiatulfalah@gmail.com

(۴) جلد ہی یہ فارم انجمن کی ویب سائٹ پر بھی اپ لوڈ کر دیا جائے گا، وہاں سے بھی اس کو بآسانی ڈاؤن لوڈ کر سکتے ہیں۔